سوشلسٹ پارٹی

کا نظریہ اور عمل

اجے کمار گھوش

قومی کتاب گھر رینک بازار - جالندھر

قیمت ۸/ ۱۹۵۲ء پہلی بار

سوشلسٹ پارٹی

کا نظریہ اور عمل

اجے گھوش

جنرل سیکرٹری ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی

پبلشرز

قومی کتاب گھر ریننگ بازار جالندھر شہر

فہرست مضامین

بابِ اوّل

سوشلسٹ پارٹی میں سنکٹ

سوشلسٹ پارٹی آج ایک گہرے سنکٹ میں سے گزر رہی ہے۔ لیڈرشپ نے اس سنکٹ کو حل کرنے اور عام ممبران کو از سر نو متحد کرنے کی جتنی بھی کوششیں کی ہیں۔ وہ اس وقت تک ناکام رہی ہیں۔ پارٹی کے عام ممبران میں سخت بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مستعفی ہو گئے اور بہت سے مستعفی ہونے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ جو لوگ یہ توقع لگائے بیٹھے تھے کہ جن تباہ کن پالیسیو کے باعث پارٹی موجودہ حالت تک پہنچی ہے وہ تبدیل کر دی جائیں گی۔ انہیں سخت نا اُمیدی ہوئی ہے۔ وہ پنچ مڑھی کنونشن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مگر اس کنونشن نے پارٹی میں پھیل رہی اس ناامیدی کو دُور کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ جو عام انتخابات میں شکست کھانے کے باعث پھیل رہی تھی۔ اس کنونشن میں پارٹی کے ممتاز ترین لیڈروں نے جو تقریریں کیں اور جو ریزولیوشن پاس کیا گیا اُس نے عام ممبران کو بوکھلا دیا ہے اور ناامیدی کو اور بھی گہرا کیا ہے۔ کانفرنس کے بعد کئے واقعات کے باعث عام ممبران اور بھی زیادہ بوکھلا گئے۔ انہیں معلوم ہُوا کہ بدنام فرقہ پرست ڈی۔ پی مِصرا کو سوشلسٹ پارٹی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ گاندھی واد کا فلسفہ قبول کر کے سوشلسٹ پارٹی کسان مزدور پرجا پارٹی کے ساتھ مل رہی ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی دیکھا کہ جب بمبئی میں حکومت کے اناج پر سے کنٹرول ہٹانے کے باعث اناج کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں اور مزدوروں نے اس کے خلاف پروٹسٹ کے طور پر ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو شری اشوک مہتہ نے اس ہڑتال کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ جب مزدوروں نے ان کی بات نہ مانی

تو انہوں نے مزدوروں کی مذمت کی - انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ شری جے پرکاش نارائن نے شری رفیع احمد قدوائی پر وعدہ پورا نہ کرنے کا الزام لگانے کی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اکیس [21] دن کا برت رکھا - اور یہ برت جنوبی ہند کے دو براہمنوں کے "منتر" پڑھنے کے ساتھ ختم کیا گیا -

ان باتوں سے سوشلسٹ پارٹی کے عام ممبران اور کئی حالات میں نوجوان بانی لیڈروں میں سخت محرومی اور شکست کا احساس پیدا ہوا - پارٹی کے اندر سنکٹ گہرا ہو گیا ہے - اور یہ سنکٹ روز بروز گہرا ہوتا جا رہا ہے -

اس سنکٹ کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟ اس سنکٹ کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟

یہ سوالات ایسے ہیں جن کا تعلق محض سوشلسٹ پارٹی کے ممبران سے ہی نہیں ان کا تعلق ہر سوشلسٹ اور کمیونسٹ - ہر جمہوریت پسند اور وطن پرست ہندوستانی سے ہے - اس کی وجہ سوشلسٹ پارٹی کی وہ پوزیشن ہے جو اسے اس کے قیام کے وقت سے ملک کی سیاسی زندگی میں حاصل رہی ہے - اس کی دوسری وجہ وہ حالات ہیں - جو عام انتخابات کے بعد ظہور پذیر ہوئے ہیں -

پہلے سے کہیں زیادہ آج ہند کے لوگوں کو اتحاد کی ضرورت ہے - اتحاد - امن آزادی اور جمہوریت کے تحفظ کے لئے اتحاد - موجودہ حکومت کی جگہ ایک جمہوری حکومت قائم کرنے کے لئے اتحاد - کسانوں اور مزدوروں پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے حملوں کو ناکام بنانے کیلئے - اور ہمارے ملک کو غلام بنانے کی امریکی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے اتحاد -

کانگریس آج وہ نہیں جو وہ پانچ برس پہلے تھی - وہ عوام کے بلشتر حصہ کا اعتماد کھو بیٹھی ہے جمہوری عوام کی نمائندہ پارٹیوں نے عام انتخابات میں کانگریس کے ۴ کروڑ دس لاکھ ووٹوں کے مقابلہ میں ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ ووٹ حاصل کئے - یہ ایک حقیقت ہے جو بتاتی ہے کہ ہند کے عوام کتنی تیزی کے ساتھ انقلاب پسند بنتے جا رہے ہیں کتنی تیزی کے ساتھ وہ جد و جہد کی طرف بڑھ رہے ہیں -

کانگریس حکومت کے خلاف عوام کی مخالفت نئی بلندیوں تک پہنچ گئی ہے - اس میں

آج صرف کسان اور مزدور ہی شامل نہیں بلکہ دستکار - دانشور - دوکاندار - تاجر اور یہاں تک کہ بہت سے صنعت کار بھی شامل ہیں - کیونکہ ان سب کو حکومت کی عوام دشمن اور قوم دشمن پالیسیوں سے نقصان پہنچا ہے - اس میں اُن لوگوں کی بہت بڑی تعداد بھی شامل ہے جو اپنے قومی خطوں کو لسّانی صوبجات کی صورت میں متحد کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ان میں بہت سے کانگرسی بھی شامل ہیں - جیسا کہ بمبئی سرکار کے مجوزہ ٹیکسوں کی تجاویز کی عام مخالفت سے ظاہر ہوتا ہے - اس میں تمام جمہوریت پسند اور شہری آزادی کے وہ تمام حامی شامل ہیں جن میں حکومت کی عوامی تحریکوں کو کچلنے کے لئے نئے اختیارات حاصل کرنے کی کوششوں سے بددلی پھیل گئی ہے مثلاً ضابطہ فوجداری میں ترمیم کر کے مجسٹریٹوں کو "مجمع خلاف قانون" کو منتشر کرنے کیلئے ہوائی اور بحری فوجوں کو بلانے کے اختیارات دینا اور احتیاطی نظربندی کے قانون کی عمر میں توسیع -

یہ سب واقعات جمہوری طاقتوں میں اتحاد کی ضرورت کو زیادہ شدت کیساتھ ظاہر کرتے ہیں - آج سے پہلے اس اتحاد کی ضرورت کبھی اتنی شدید نہیں تھی - اور نہ حالات کبھی اتنے سازگار تھے - سوشلسٹ پارٹی کے عام ممبران میں ہزاروں ایماندار اور مخلص سوشلسٹ ہیں - ان میں سے بہت سوں نے سوشلزم اور جمہوریت کیلئے جدوجہد کی ہے اور مصائب جھیلے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے - آج بھی ملک کے کئی حصوں میں سوشلسٹ پارٹی کا بہت رسوخ ہے اسلئے اگر سوشلسٹ پارٹی وہ سنکٹ حل کرلے جسمیں وہ پھنس گئی ہے تو وہ اس اتحاد کو قائم کرنے میں نمایاں حصہ لے سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ پارٹی اس سنکٹ کو حل کرنے کے لئے جو بھی پالیسیاں اختیار کرتی ہے - اس کا ان تمام لوگوں کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے جو کانگرس حکومت کو ختم کر کے عوامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں -

مگر یہ بات صاف ہونی چاہیئے کہ سوشلسٹ پارٹی کے اندر یہ سنکٹ محض انتخابات میں ہوئی شکستوں کا ہی نتیجہ نہیں - اس کے برعکس یہ شکستیں اس سنکٹ کا نتیجہ ہیں - جو انتخابات سے بہت پہلے پیدا ہو گیا تھا - جو کوئی پارٹی کی رپورٹوں اور دستاویزات کو پڑھے گا یہ بات فوراً سمجھ

جائے گا۔ انتخابی شکستوں نے تو صرف اس سنکٹ کو اور گہرا کیا ہے۔ انتخابی شکستوں اور اس سنکٹ کی وجوہات ایک ہی ہیں اور وہ ہیں پارٹی کا نظریہ اور عمل۔ قومی اور بین الاقوامی میدان میں اس کی پالیسیاں اور وہ سمجھوتے جو اس نے کئے۔ اس لئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ پارٹی کے بنیادی نظریہ اور رجحانات کا جائزہ لئے بغیر اور اس وقت تک اس نے جو بھی پالیسی اختیار کی ہے اس کو تبدیل کئے بغیر اس سنکٹ کو حل کرنے کی تمام کوششیں سنکٹ کو اور گہرا کر دیں۔

باب دوم

سنکٹ پیدا کرنے والی پالیسیاں

چار برس ہوئے جب سوشلسٹوں نے کانگرس سے الگ ہو کر اپنے آپ کو ایک آزاد سیاسی پارٹی کی حیثیت سے منظم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تو پارٹی کے عام ممبران اور اس کے ہزاروں ہمدردوں اور مداحوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ کانگرس نے اس وقت تک اپنے آپ کو جاگیرداروں اور اجارہ داروں کی ایک ایسی پارٹی ثابت کر دیا تھا۔ جو برطانوی سامراج کے ساتھ تعاون کر رہی تھی۔ برسر اقتدار آنے کے چند ماہ کے اندر اندر اس کی حرکتوں نے ثابت کر دیا تھا۔ کہ وہ ان وعدوں کو پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ جو اس نے عوام کے ساتھ کئے تھے۔ سوشلسٹ پارٹی کے عام ممبروں کو خیال تھا کہ کانگرس کے ساتھ وفاداری کے بندھن اور ڈسپلن کے نام پر ٹھونسی ہوئی خلاف جدوجہد پالیسی کی قید سے آزاد ہو کر سوشلسٹ پارٹی کانگرس کے خلاف ناقابل مصالحت جدوجہد کی پالیسی اختیار کرے گی۔ وہ جاگیرداروں اور اجارہ داروں کے خلاف عوامی جدوجہدوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی پر عمل کرے گی۔ وہ تمام

دبے ہوئے سسکتے ہوئے عوام کو متحد کر کے عوامی جتھہ بندیاں قائم کرنے۔ تمام انقلابی عناصر اور پارٹیوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے اور دُنیا کے ہر حصے میں سامراج دشمن جد و جہد کر رہے عوام کے ساتھ اتحاد کی پالیسی پر عمل کرے گی۔ انہیں توقع تھی کہ سوشلسٹ پارٹی ان طاقتوں کے خلاف جد و جہد کرنے کی پالیسی پر عمل کرے گی۔ جو غلام ممالک کے عوام کی جائز جدوجہد کو دبانے اور ایک نئی عالمگیر جنگ شروع کر کے دُنیا بھر کو غلام بنانے کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔

مگر یہ توقعات پوری نہ ہو سکیں۔ سوشلسٹ پارٹی نے جو بھی پالیسی اختیار کی۔ وہ اس توقع کے برعکس تھی۔ جو اس کے کانگریس سے الگ ہونے کے باعث پیدا ہوئی تھی۔ یہ پالیسیاں پارٹی کے ایماندار اور لڑاکو ممبران کی ایک بہت بڑی تعداد کی توقعات کے برعکس تھیں۔

اس وقت میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں گذشتہ پانچ برس میں سوشلسٹ پارٹی کی پالیسی کا ارتقاء بیان کر کے یہ دکھاؤں کہ اس نے عوامی جدوجہد اور عوامی اتحاد کو کس طرح نقصان پہنچایا۔ یہاں تفصیل سے یہ دکھانا بھی ممکن نہیں کہ کس طرح سوشلسٹ پارٹی نے مارکس کی تعلیم کو ترک کر کے اس کی جگہ پر بورژوا نظریے اختیار کئے۔ کس طرح کانگریس کی مخالفت کی دھار کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی کس طرح لڑاکو جائز جدوجہدوں کو افراتفری اور انارکی (تباہی) کا نام دیا گیا۔ کس طرح انتخابات اور پارلیمنٹری کام کے موثر ہونے کے بارے میں بھرم پیدا کئے گئے کس طرح مزدور یونینوں میں پھوٹ ڈالی گئی اور اس پھوٹ کو جیت کا نام دیا گیا۔ کس طرح بدترین رجعت پرستوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا گیا جب کہ انقلابی اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے ساتھ متحدہ محاذ کو رد کر دیا گیا کس طرح سوویٹ روس اور عوامی چین کو بدنام کیا گیا سامراجیوں کی اور سوشلزم کے غداروں کی تعریفوں کے پل باندھے گئے اور کس طرح اس قسم کی باتوں کو سوشلزم اور جمہوریت کے عین مطابق بتایا گیا۔ ان تمام واقعات کا مفصل تذکرہ ممکن نہیں مگر چند مشہور واقعات کو بیان کرنا لازمی ہے۔

سوشلسٹ پارٹی کی ناسک کانفرنس (۱۹۴۸) میں ہی جہاں کانگریس سے الگ ہونے

کا فیصلہ کیا گیا - پارٹی کے لیڈروں کی تقریروں اور رپورٹوں نے اس امر کے بارے میں کوئی شک نہیں رہنے دیا تھا کہ وہ مستقبل میں کیا کریں گے ۔

پارٹی کے کانگریس سے الگ ہونے کی وجوہات شری جے پرکاش نارائن نے ان الفاظ میں بتائیں :- " . . ملک میں ایک ایسی اپوزیشن پارٹی کا نہ ہونا - جو جمہوریت میں اعتقاد رکھتی ہو اور ملک اور ریٹیٹ کی وفادار ہو - یقیناً ڈکٹیٹر شاہی کو بڑھاوا دیگا " (لفظوں پر زور ہم نے دیا ہے) اور " ملک کے اندر موجودہ حالت میں صرف سوشلسٹ پارٹی ہی ایک عوامی اپوزیشن پارٹی کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے " - ان الفاظ میں وہ راستہ صاف صاف بتا دیا گیا تھا - جس پر مستقبل میں سوشلسٹ پارٹی کو چلنا تھا ۔

اس تقریر کے انداز سے اور باقی لیڈروں کی تقریروں اور کانفرنس میں پاس کئے گئے ریزولیوشنوں کے بعد کسی کو بھی اس کے متعلق کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ جمہوریت میں یقین رکھنے والی عوامی اپوزیشن پارٹی کا مطلب ایک ایسی پارٹی ہے " جو تعمیری اور پارلیمنٹری کام کو آپس میں ملا سکے " - " ایک ایسی پارٹی جس کا مستقبل میں سب سے بڑا کام پارلیمنٹ کے اندر ہوگا اور جس کا موجودہ سب سے بڑا کام انتخاب کی تیاری ہے ۔

اس کانفرنس کے صدر شری پرشوتم داس ٹنڈن نے کسی قسم کے لفظی ہیر پھیر کے بغیر کھلے الفاظ میں یہ بنیادی خیال ڈیلی گیٹوں کے سامنے رکھا - انہوں نے کہا

" بمبئی کے حالیہ میونسپل انتخابات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ لوگ موجودہ حکومت کا نعم البدل تلاش کر رہے ہیں اور ان کی نگاہوں میں یہ نعم البدل ہم ہی ہیں . . . مرکزی اور صوبائی قانون ساز انجمنوں کے انتخابات شاید دو برس میں ہونے ہیں - اس لئے آپ کو ابھی سے تیاری کرنی چاہیئے ۔ "

اس میں اہم نکتہ نہیں کہ پارلیمنٹری جدوجہد پر زور دیا گیا - اہم نکتہ یہ ہے کہ کانفرنس کی تقریروں اور ریزولیوشنوں میں عوام کو متحد و متحرک کرنے اور ان کی جدوجہدوں کو تنظیم دینے

کا ذکر بھی نہ کیا گیا۔

یہ کوئی اتفاقیہ امر نہیں ہے۔ سوشلسٹ پارٹی اپنے آپ کو برطانوی لیبر پارٹی کے سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ اور اس کے کارناموں کو سوشلسٹ پارٹی کے تمام چھوٹی کے لیڈروں نے بارہا خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ وہ عوامی بے اطمینانی کا فائدہ اٹھا کر عوامی جدوجہد میں حصہ لئے بغیر یا ان کی تعداد کم از کم رکھ کر صرف پراپیگنڈہ اور پرچار کے ذریعے طاقت حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ ناسک کانفرنس کے بعد ہوئی پٹنہ کانفرنس میں شری اشوک مہتہ نے اس بات کو بالکل صاف کر دیا۔

"ایک ایسے ملک میں جہاں جمہوریت کا وجود ہے۔ تخلیقی کام کرنے کے امکانات بھی موجود ہیں۔ کبھی کبھی ہی جدوجہد لازمی ہو جاتی ہے۔ عوام کی تخلیقی خواہشات کے چشمے آج سوکھ گئے ہیں ہمیں اُن کو حرکت میں لانا ہے۔ عوام کی تخلیقی خواہش کو متحرک کرنا ہی ایک ایسا کام ہے جو ہمیں کرنا ہے۔ (لفظوں پر زور میں نے دیا ہے)

(ساتویں کانفرنس کی سالانہ رپورٹ)

عوام کو متحرک کیا جائے گا۔ جدوجہد کیلئے نہیں بلکہ ان کی تخلیقی خواہش" کو دس نکاتی پروگرام کی تکمیل کے لئے متحرک کیا جائیگا۔ یہ تھا سب سے بڑا کام جو پارٹی کے سامنے رکھا گیا۔ جس ریزولیوشن میں یہ خیال شامل کیا گیا تھا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر لوہیا نے کہا:۔

"اگر ہم نے لوگوں میں کافی ہیجان پیدا کر دیا ہے اور (اس پروگرام کیلئے) ان کو متحرک کر لیا ہے۔ اور اس کے باوجود حکومت اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے سے انکار کرتی ہے تو آخری ہتھیار کے طور پر ستیہ آگرہ کے ذریعے ہم حکومت کو مٹا سکتے ہیں۔ (لفظوں پر زور میں نے دیا ہے)

(ساتویں سالانہ کانفرنس کی رپورٹ)

یہ محض یونہی کہی بات نہیں۔ ان میں پارٹی کی بنیادی پالیسی شامل ہے۔ ان الفاظ

سے بنیادی نظریہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ الفاظ کانگریس کے برسر اقتدار آنے کے پورے ۱۸ ماہ بعد کہے گئے اس اٹھارہ ماہ کے عرصہ کے بعد جس میں حکومت نے ملک کے تمام حصوں میں عوامی جدوجہدوں کو جبر و ستم کے ساتھ کچل دیا۔

جدوجہد کی مخالفت کرنے والی اس پالیسی کے ساتھ ہی ساتھ کمیونسٹ پارٹی کو بدنام کرنے کی مہم کا آغاز ہوا۔ اس وقت حکومت کے حملے کا بھرپور وار کمیونسٹ پارٹی پر پڑ رہا تھا۔ تلنگانہ۔ آندھرا۔ مالابار اور دیگر علاقوں میں پولیس اور فوج نے جو بہیمانہ جرائم سرزد کئے۔ ایک بھی سوشلسٹ لیڈر نے کسی وقت بھی اس کے خلاف آواز بلند نہ کی۔ عوام کی بہادرانہ جدوجہد کو سوشلسٹ لیڈروں نے دہشت پسندی اور افراتفری کہہ کر بدنام کیا۔ جن علاقوں میں تحریکوں کی کمیونسٹ رہنمائی کر رہے تھے۔ اُن میں حکومت کے مظالم کے خلاف انہوں نے آواز تک نہ اٹھائی جب جیل خانوں کے اندر سنگدلی سے کمیونسٹ قیدیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ تو بھی اُن کی زبان بند رہی۔

مگر اُن کے لئے عمل میں ہمیشہ عوامی جدوجہد کی مخالفت کرنا ممکن نہیں تھا۔ جاگیرداروں۔ سرمایہ داروں اور حکومت کے تشدد اور عام ممبروں کے دباؤ کے باعث پارٹی کو کئی موقعوں پر جدوجہد بھی شروع کرنی پڑی۔ پارٹی کے جن ممبران نے ان جدوجہدوں کی رہنمائی کی۔ اُنھوں نے بہادری پہل قدمی اور قربانی کی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ وہ اس بات پر بجا طور پر فخر محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر ریلوے ہڑتال جیسی بڑی بڑی جدوجہدوں کے ساتھ بار بار غداری کی گئی۔ جہاں کہیں جدوجہد کی بھی گئی۔ چوٹی کے سوشلسٹ رہنماؤں نے اس کو ستیہ گرہ کے دائرے کے اندر محدود رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

کمیونسٹ دشمنی میں اندھے ہو کر مزدور طبقہ میں مکمل اتحاد کی ضرورت کو نظرانداز کرتے ہوئے اُنھوں نے آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگرس اور عوامی تنظیموں میں پھوٹ ڈالی۔ اس پھوٹ کو سوشلسٹ پارٹی کی فتح قرار دیا گیا۔

شری جے پرکاش نارائن نے ۱۹۴۹ء میں آل انڈیا ریلوے مینز فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے اس وقت چالبازی سے ریلوے ہڑتال کو ترک کر دینے کی صورت نکالی۔ جب ریلوے مزدوروں کی بہت بھاری اکثریت نے ہڑتال کے حق میں فیصلہ دیدیا تھا چنانچہ اُنھوں نے اس غداری کو جائز قرار دیتے ہوئے سوشلسٹ پارٹی کی مدراس کانفرنس میں فخریہ انداز میں کہا:-

"اس وقت اختیار کئے گئے پینترے کا ایک اور اہم ضمنی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ آل انڈیا ریلوے مینز فیڈریشن کمیونسٹ پھوٹ پرستوں سے پاک ہو گئی جنہیں لگ بھگ خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔" (سوشلسٹ پارٹی کی مدراس کانفرنس ۱۹۵۰ء میں پیش کی گئی رپورٹ)

اس پر کسی قسم کے تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ شائد شری جے پرکاش نارائن کے لئے یہ بات بہت ہی فروعی نوعیت کی ہے کہ "اس وقت اختیار کئے گئے پینترے کے باعث ملک میں سب سے مضبوط متحدہ مزدور جبھہ بندی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ حکومت کو ریلوے مزدوروں پر جبر و استبداد کی مہم شروع کرنے اور اپنے پرانے وعدوں سے منحرف ہو جانے میں بڑھاوا ملا۔ اور آل انڈیا ریلوے مینز فیڈریشن میں پھوٹ کے باعث سارے مُلک میں مزدور تحریک کو ایک زبردست دھکا لگا۔ ان کے لئے سب سے اہم بات جس پر انھوں نے بغلیں بجائیں یہ تھی کہ "ان چالوں سے کمیونسٹوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کیا گیا۔"

اِس وقت جبکہ حکومت ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کو کچلنے کے لئے سرکاری مشینری کا پُورا زور لگا رہی تھی۔ سوشلسٹ لیڈروں نے کمیونسٹ دشمنی کے ساتھ ہی ساتھ ہند کے نظامِ حکومت کے "کافی حد تک جمہوری خاصے" پر اعتقاد کے اعلان کرنے شروع کر دیئے اگرچہ انھوں نے کبھی کبھی ایک لگاتار اور یکساں اِقتصادی پالیسی نہ رکھنے" اور "آئین کی تنظیم اور جمہوری طریقہ کار کے استعمال میں مستعدی کا ثبوت نہ دینے پر حکومت پر نرم نرم نکتہ چینی کی۔ (پارٹی کی مدراس کانفرنس کے ریزولیوشن)

سوشلسٹ لیڈروں نے حکومت کے ساتھ جو لحاظ روا رکھا۔ وہ اس بدنام کرنے والی مہم سے واضح طور پر مختلف تھا جو انھوں نے کمیونسٹوں کے بارے میں شروع کی۔

پارٹی نے ہند میں برطانوی سرمایہ ضبط کئے جانے کی حمایت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے اس سرمائے کو قومیانے کی حمایت کی۔ تاکہ اس سلسلہ میں کوئی وہم نہ رہ جائے شری لوہیا نے پٹنہ کانفرنس میں یہ بات صاف کر دی تھی۔ کہ ہند میں غیر ملکی اثاثہ سٹیٹ کیطرف سے خرید لیا جائے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا۔

"ہند میں برطانوی اثاثہ۔ غیر ملکی اثاثہ کا نوّے (۹۰) فیصدی ہے اور اس کی خرید کے لئے آج بھی سٹرلنگ بیلنس کی صورت میں سرمایہ موجود ہے۔" (ساتویں سالانہ کانفرنس کی رپورٹ)

غیر ملکی سرمایہ کی درآمد کے بارے میں پارٹی نے محض ایک عام سا بیان دینے پر ہی اکتفا کیا:- "قومی ترقی کیلئے مناسب اور قومی خود مختاری کے ساتھ مطابقت رکھنے والی شرائط پر حکومت کو غیر ملکی سرمایہ اور ٹیکنیکل واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

یہ بات جولائی ۱۹۵۰ء میں پارٹی کے منظور کئے گئے سرکاری ریزولیوشن میں کہی گئی اُس وقت ہند سرکار ایسی شرائط پر غیر ملکی سرمایہ کو دعوت دینے لگی تھی۔ جو کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھیں اور یہ تھیں:-

نیشنلائیز نہ کرنے کا وعدہ۔ امتیازی سلوک نہ کرنے کا دعوےٰ۔ غیر ممالک کو منافع لیجانے کی اجازت۔ غیرہ برطانیہ اور امریکہ نے ہمیں بھاری مشینری سپلائی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ معاہدے کئے جا رہے تھے۔ جبکہ سوویٹ روس کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اِس بارے میں سوشلسٹ پارٹی نے کچھ بھی نہیں کہا۔

پارٹی کی خارجہ پالیسی کی بنیاد سوویٹ روس۔ یورپ کی عوامی جمہوریتوں اور چین کے ساتھ دشمنی تھی۔ جب کبھی کسی مسئلہ پر واضح پوزیشن اختیار کرنے کا وقت آیا سوشلسٹ پارٹی کے اس دعوے کی قلعی کھل گئی کہ اس کی خارجہ پالیسی آزاد ہے سوشلسٹ لیڈروں

نے امن لہر کو "روسی سامراج کی ایک چال کہا" اس امن لہر کو جو تواریخ میں ترقی پسند انسانیت کی سب سے عظیم لہر ہے جس کی پنڈت سندر لال اور شری کمارآپا جیسے پکے گاندھی بھگتوں نے بھی حمایت کی ہے۔ مگر کوریا میں امریکہ کے جارحانہ اقدامات کو جنوبی کوریا کے لوگوں کی "علاقائی سلامتی اور آزادی کے تحفظ کی کوشش" کہہ کر سراہا گیا۔ بڑے بڑے سوشلسٹ لیڈروں نے ہند سرکار کے عوامی چین کی حکومت کو جلدبازی میں تسلیم کرنے" کی پالیسی پر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے ہند چین دوستی پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔ اُن کے خیال میں اس پالیسی کا ہند کے کمیونسٹوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ اس لئے اس کو تبدیل کر دینا چاہیئے۔

چنانچہ شری اشوک مہتہ نے اپنی کتاب "خارجہ پالیسی" میں لکھا ہے:۔

" چین کے تبت پر قابض ہو جانے کے باعث آسام کے چند حصّوں میں کمیونسٹ گوریلوں کا جال پھیل گیا۔ ہند میں کمیونسٹ سرگرمیوں کو پھلتے ہوئے بہت مدّت تک سوویٹ چین کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم رکھنا ممکن نہیں ہو گا۔"

سوشلسٹ لیڈروں کے خیال میں سوویٹ روس کو بدنام کرنے کیلئے کوئی بھی مذموم سے مذموم حرکت بُری نہیں۔ سوویٹ یونین میں سوشلزم کی تعمیر نے وہ عظمت دکھا دی ہے جو انسان سرمایہ داروں کی زنجیروں سے آزاد ہو کر حاصل کرتا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ وہ کس طرح مشکلات پر قابو پا سکتا ہے مگر اس کو شری اشوک مہتہ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

" مزدوروں کی ہڈیوں پر سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ نئی معیشت قائم کی گئی۔ چونکہ حکومت کی طرف سے پیش کی گئی شرائط پر اتنے وسیع پیمانہ پر مزدور نہیں مل سکتے تھے۔ اس لئے سوویٹ حکومت نے قیدی مزدوروں کو استعمال کیا۔ سب سے پہلے پرولتاری سٹیٹ کے دشمن اور اس کے بعد مقررشدہ راستہ سے بھٹک جانے والے خاص قیدی کیمپوں میں بھیجدیئے گئے اور ایک کروڑ بیس لاکھ اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب مردوں اور عورتوں کو ان کیمپوں میں پھینک دیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے خون اور پسینے سے ملک کی مجنونانہ تعمیر اور ترقی کیلئے ذرائع

مہیا کریں۔"　　　　(جمہوری سوشلزم)

انہوں نے دعوے کیا کہ وہ "طاقت کے دونوں دھڑوں" کے خلاف ہیں۔ اُن کا دعوے ہے کہ وہ "کمیونزم اور سرمایہ داری کے مساوی طور پر مخالف ہیں۔" مگر حقیقت میں اس دعوے کی کوئی بنیاد نہیں۔ انہوں نے سوویٹ یونین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مقابلہ ان باتوں کے ساتھ کیجئے جو انہوں نے امریکہ کے بارے میں لکھیں۔

" امریکہ میں نیو ڈیل پالیسی نے ملک کو عوامی بھلائی کی سٹیٹ کی طرف ایسے راہ پر ڈال دیا ہے جو ابھی تک رُکا نہیں۔" (مدراس کانفرنس ۱۹۵۰ء میں شری جے پرکاش نارائن کی تقریر)

" میں امریکہ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہند میں اس کے بہترین دوست سوشلسٹ ہیں۔"
(سنگھرش میں لوہیا کا آرٹیکل)

" امریکہ میں فوجی تیاریوں کے پورے جوبن پر آجانے کے باوجود معیار زندگی کم نہیں ہوا۔"　　(شری اشوک مہتہ جمہوری سوشلزم میں)

یورپ کے سوشل ڈیموکریٹک لیڈروں اور سوشلزم کے غدار۔ نوآبادیاتی ممالک کے عوام کو کچلنے والے اور امریکی سامراج کے حاشیہ بردار۔ برطانیہ کے لیبر لیڈروں کو مندرجہ ذیل خراج تحسین ادا کیا تھا:۔

" یورپ کے سوشلزم نے ایک انتہائی عملی (آدرش واد) حاصل کر لیا ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ برسراقتدار آسکا ہے اس کی سب سے بڑی کوشش لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا اور اُن کو سماجی سلامتی مہیا کرنا رہی ہے۔" (خارجہ پالیسی کے بارے میں لوہیا کی رپورٹ)

عوامی جدوجہدوں کی مخالفت اور برسراقتدار آنے کیلئے محض انتخابات پر انحصار۔ عوامی جتھہ بندیوں میں پھوٹ ڈالنے اور حکومت کی مخالفت کی دھار کُند کرنے اور حکومت کے بارے خوش فہمیاں پیدا کرنے۔ سوویٹ یونین اور عوامی چین کو بدنام کرنے۔ امریکی سامراجیوں اور یورپی سوشلسٹوں کی قصیدہ خوانی کرنے کی پالیسیوں نے سوشلسٹوں کو

عوام سے دُور کر دیا۔ سوشلسٹ پارٹی کے عام ممبران میں انتہائی بے اطمینانی پھیل گئی۔ اور ان میں سے کئی ایک نے ان طریقوں کی مذمت کی جو اس وقت اختیار کئے گئے تھے۔ کئیوں نے تو جمہوری سوشلزم کے بنیادی نظریئے کے بارے میں شکوک کا بھی اظہار کیا۔

جس ڈھنگ سے پارٹی کے لیڈروں نے ان کے شبہات کا جواب دیا۔ جس ڈھنگ سے انہوں نے اپنے نکتہ چینوں کو خاموش کرایا۔ وہ بہت معنی خیز ہے۔

پٹنہ میں اکٹھے ہوئے ڈیلیگیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے شری لوہیا نے کہا "تم ہمارے کانوں میں طبقاتی جدوجہد کا شور کیوں بپا کرتے رہتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں طبقاتی جدوجہد سے ڈرتا ہوں؟ یقیناً میں طبقاتی جدوجہد کی خاطر طبقاتی جدوجہد نہیں چاہتا۔ کچھ تخلیق کرنے کے لئے میں طبقاتی جدوجہد میں ضرور حصّہ لوں گا۔ تم یہ کیوں کہتے رہتے ہو کہ ہم طبقاتی جدوجہد سے ڈرتے ہیں۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ (ساتویں پارٹی کانفرنس کی رپورٹ)

اور "ہمارے درمیان کئی ایسے کامریڈ بھی ہیں جو جمہوری سوشلزم پر پوری طرح اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے مگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہی اصلی انقلابی ہیں انہوں نے کبھی اس پارٹی کے بنیادی اصولوں کا مذاق اڑانا ترک نہیں کیا۔ جس میں وہ شامل ہیں۔ ایسے لوگوں کو میں مشورہ دے سکتا ہوں "خدا کے لئے چلے جاؤ۔" میں اُن سے یہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ کہ ہم میں سے اصل انقلابی کون ہے؟ اس مسئلہ کا فیصلہ تاریخ کر رہی ہے"

(آٹھویں پارٹی کانگرس میں شری جے پرکاش نارائن کی رپورٹ)

جس زبان میں کسی وقت ...... سردار پٹیل کانگرس کے بائیں بازو کو سرزنش کیا کرتے تھے۔ آج اسی زبان میں سوشلسٹوں نے اپنے ڈیلیگیٹوں کے ساتھ بات کرنی شروع کر دی اور اس کی وجوہات بھی وہی ہیں۔

مگر ان دھمکیوں اور للکاروں سے اُن کا مقصد پورا نہ ہوا۔ پارٹی کے اندر سنکٹ گہرا ہوتا گیا۔ شریمتی ارونا آصف علی اور پارٹی میں بمبئی کے سب سے بااثر ٹریڈ یونین کارکنوں کے مستعفی

ہونے اور کئی صوبجات میں لیفٹ سوشلسٹ گروپ کے قیام نے اس سنکٹ کی شدّت کو اور بھی واضح کر دیا۔

یہ احساس کرتے ہوئے کہ اُن کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی جا رہی تھی۔ لیڈرشپ نے اپنی تمام امیدیں عام انتخابات پر لگا دیں۔ اُن کو بہت بڑی فتوحات حاصل کرکے لوگوں کی نظروں میں پارٹی کا وقار پھر قائم کرنے اور نکتہ چینیوں کو خاموش کرنے کی توقع تھی۔

لیکن جس ڈھنگ سے انتخابی جلسہ جہاد کی تیاری کی گئی۔ اور جس ڈھنگ سے انتخابات جیتنے کی کوشش کی گئی۔ اُسے ایک چوٹی کے سوشلسٹ لیڈر نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس سے بہتر الفاظ نہیں کہے جا سکتے۔

" سوشلسٹ انتخابی خوابوں کی دُنیا میں رہتا ہے مسلسل اور سخت محنت کی جگہ وہ نتائج سے پیشتر ہی کامیابیاں گننی شروع کر دیتا ہے۔ حلقہ جات میں کام کا اہم ترین مقصد خوش کن مگر غیر دلچسپ قسم کے گپ بازی کے کلب بن جاتے ہیں جس میں لیڈروں کی تقریریں اور دورے بھی کہیں کہیں آ جاتے ہیں۔"

" اس خوابوں کی سرگرمی کا قدرتی نتیجہ ضرورت کے وقت آسان راستہ تلاش کرنا ہی تھا سیاسی تعلیم اور بیداری کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کی کوششوں کی جگہ سمجھوتوں اور چالبازیوں نے لی۔ ووٹ حاصل کرنے کیلئے سوشلسٹوں کو علاقہ میں با اثر لوگوں کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ (غربت ختم کرنے کے لئے پروگرام۔ شری لوہیا۔ ۱۹۴۰)

جمہوری سوشلزم کی سیاست کے منطق نے پارٹی کی یہ حالت کر دی۔

شری لوہیا کو گھن آتی ہے۔ مگر وہ یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ پارٹی کی سیاست نے ہی اس میں یہ انتشار پیدا کیا ہے۔ انتخاب لڑنے کے بورژوا طریقے اور بورژوا سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ طبقاتی جدوجہد اور انقلابی فلسفہ۔ مارکسزم کو ترک کرنے۔ عوام کو متحرک کرنے کے لئے جدوجہد ترک کرنے کی پالیسی اور جمہوری طاقتوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی حکمت عملی

سے انکار کے ساتھ ہی ساتھ ہر قیمت پر انتخابات جیتنے کی خواہش کا قدرتی نتیجہ آسان طریقے "ڈھونڈنے کی کوشش۔ سمجھوتے چالبازیاں اور "ووٹ حاصل کرنے کے لئے" با اثر لوگوں کے پیچھے بھاگنا ہی ہو سکتا تھا۔

یہاں اس شکست کا ذکر کرنا لازمی نہیں جو پارٹی کو انتخابات میں ہوئی۔ سوشلسٹ لیڈروں نے اعلان کیا تھا کہ وہ "صوبائی اسمبلیوں میں کم از کم آٹھ سو اور پارلیمنٹ میں کم از کم سو سیٹیں جیتیں گے،" مگر ان کو صرف ۱۲۶ اور ۱۲ سیٹوں پر قناعت کرنی پڑی۔ کئی علاقوں میں انہوں نے جمہوری ووٹوں کو تقسیم کر کے کانگریس امیدواروں کی کامیابی یقینی بنا دی۔ انتخابات جیتنے کے لئے ان کی چار برس کی لگاتار کوششوں۔ باقی سب باتیں بھول کر صرف اسی طرف توجہ دینے۔ اور ڈاکٹر امبیدکر اور جے پال سنگھ کے ساتھ سمجھوتوں کے باعث جو نتیجے ظہور پذیر ہوئے اس سے پارٹی کے عام ممبران کو ایک زبردست دھکا لگا۔ اور لیڈروں میں بھی ناامیدی اور شدید قسم کی پست ہمتی پیدا کر دی۔

اس لئے یہ کوئی حیران کن بات نہ تھی کہ جب پارٹی کے ڈیلیگیٹ پنچ مڑھی کانفرنس میں اکٹھے ہوئے تو ڈاکٹر لوہیا نے اپنے صدارتی ایڈریس میں ان سے مندرجہ ذیل لفظوں میں خطاب کیا۔ "ہم پارٹی کی تواریخ میں ایک انتہائی نازک موقع پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہماری پارٹی پر بادل چھا گیا ہے۔" دوسری اشوک مہتہ نے سوال کیا: "کیا سوشلسٹ پارٹی کے لئے کوئی مستقبل ہے؟"

تین برس پیشتر اسی اشوک مہتہ نے پارٹی کی پٹنہ کانفرنس کے موقعہ پر فاتحانہ انداز میں اعلان کیا تھا۔ "ملک کے تمام ترقی پسند عناصر ہماری پارٹی کی طرف دیکھتے ہیں مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔" اگر اس بات کا ذرا سا شائبہ بھی ہوتا کہ سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں نے گذشتہ پانچ برس کے واقعات سے کوئی سبق سیکھا ہے اور وہ ان پالیسیوں کو تبدیل کرنے پر غور کر رہے ہیں جن کے باعث نہ صرف سوشلسٹ پارٹی بلکہ ساری جمہوری تحریک کو اس قدر تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے

توان تمام باتوں کو یہاں دہرانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کوئی سیاسی پارٹی یہ دعوے نہیں کر سکتی کہ وہ غلطیوں سے مبّرا ہے۔ جو پارٹی عوام کی خدمت اور رہنمائی کرنا چاہتی ہے۔ اس کو اپنی غلطیوں، اپنے ماضی اور تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ جب اس کی لیڈر شپ ایسا کرنے سے انکار کر دیتی ہے جب وہ ان پالیسیوں پر چلنے پر بضد رہتی ہے جن کا دیوالیہ پن ظاہر ہو چکا ہے جن کو لوگوں نے رد کر دیا ہے۔ جب آگے جانے کی بجائے پیچھے جانے کی کوشش کرتی ہے جب وہ عوام پر رجعت پرست عقیدت لادنے اور پالیسیاں ٹھونسنے اور عوامی اتحاد کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے تو ہر سوشلسٹ اور جمہوریت پسند کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ پارٹی کے بنیادی نظریئے بین الاقوامی حالات کے بارے میں اس کی سوجھ اور اس کی پرچار دھارا اور نظریہ کی تنقیدی جانچ کرے تاکہ یہ بات سمجھی جاسکے کہ اس کی عوام دشمن پالیسی کی جڑیں کہاں ہیں؟

باب سوم

جمہوری سوشلزم کا بین الاقوامی نقطۂ نظر

وہ اپنا سب سے بڑا دشمن کسے سمجھتے ہیں؟

سوشلسٹ پارٹی کے بہت سے دوست اور حمایتی بھی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے ہیں کہ اگرچہ پنڈت سندرلال، بشمبر دیال کمار اپا، سردار پٹیل کر اور مسز وجے لکشمی جیسے لوگوں تک نے عوامی چین کی حیرت انگیز کامیابیوں کی دل کھول کر تعریفیں کی ہیں۔ مگر سوشلسٹ پارٹی نے عوامی چین کی طرف انتہائی نفرت کا اظہار کیا ہے اور خوب زہر اُگلا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ جو پارٹی یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ نوآبادیاتی

نظام اور سامراج کے خلاف ہے اور ایشیائی آزادی کی خواہاں ہے۔ وہ چین کے ان عظیم عوام کی اس قدر دشمن ہو رہی ہے جنہوں نے سامراجی غلبہ کے جوئے کو اتار پھینکا ہے اور ایشیا میں امریکی منصوبوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ ان کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا وجہ ہے کہ سوشلسٹ لیڈر اس حد تک بھی جانے کو تیار نہیں ہیں۔ جہاں تک پنڈت نہرو جا چکے ہیں۔ یعنی انہوں نے ایٹم بم کے استعمال کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی۔ یا لو کے بجلی گھروں پر بمباری کی مذمت کیوں نہیں کی۔ اور جراثیمی جنگ پر بندش لگانے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟

لیکن اس رویہ میں کوئی بھی ایسی بات نہیں ہے۔ جس میں کوئی بھید ہو۔ سوشلسٹ لیڈروں کا عوامی چین کی طرف رویہ ان کی بین الاقوامی سمجھ کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے اور اس صورتِ حالات میں جو حصہ وہ خود ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بھی عین مطابق ہے۔

شری اشوک مہتہ کی کتاب "ڈیموکریٹک سوشلزم" (جمہوری سوشلزم) کے دیباچہ میں شری جے پرکاش نارائن کہتے ہیں :-

"سرمایہ داری اب تواریخ کی ایک ہاری ہوئی طاقت ہے۔ جو اپنے آخری دن گن رہی ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی جگہ کون لے گا؟"

"اس وقت بھی انسان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے دو طاقتوں میں کشمکش ہو رہی ہے۔ یہ دو طاقتیں ہیں۔ ڈکٹیٹرانہ کمیونزم اور جمہوری سوشلزم۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں :-

"جمہوری سوشلزم کو ڈکٹیٹرانہ کمیونزم کی باڑھ کے خلاف ایک بند کا کام ہی نہیں دینا ہے بلکہ ان لوگوں کو بھی ایک دعوت اور ایک چیلنج دینا ہے جو پہلے ہی اس باڑھ میں غرق ہو چکے ہیں"

ہمیں شری جے پرکاش نارائن کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اس قدر واضح اور آنکھیں کھول دینے والا بیان دیا ہے جس سے جمہوری سوشلزم کی اصل روح ہمارے سامنے بالکل عیاں ہو جاتی ہے اور جس کی بدولت ہمیں ان کی ساری پالیسی کو سمجھنے کی کنجی مل جاتی ہے۔

سرمایہ داری ایک "ہاری ہوئی طاقت" ہے۔ جو آخری دن گن رہی ہے۔ اِس لئے اس کے خلاف جدو جہد کو سب سے بڑی جدو جہد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اصل جدو جہد کمیونزم کے خلاف ہے۔ ہندوستان میں بھی اندر باہر بھی جمہوری سوشلزم کے دو اصل مقصد ہیں (۱) ہندوستان اور اس طرح کے دوسرے ملکوں میں جو ابھی تک سرمایہ دارانہ یا سامراجی حکومت کے غلام ہیں۔ کمیونزم کے راستے میں روڑا اٹکانا (۲) جن ملکوں میں سوشلزم اور عوامی جمہوریت نے فتح حاصل کر لی ہے۔ ان میں بغاوتیں کرانا۔

اِسی خیال کو اور آگے بڑھاتے ہوئے شری جے پرکاش نے مدراس کانفرنس میں کہا کہ "سامراج زوال میں ہے۔ اور اس کی زنجیریں ہر جگہ ڈھیلی پڑ چکی ہیں۔"

شری جے پرکاش نارائن نے جو کچھ کہا تھا۔ اسے پٹنہ کے سوشلسٹ ہفتہ وار اخبار "جنتا" میں اور بھی زوردار لفظوں میں بیان کیا گیا۔

"سرمایہ داری ایک مرتی ہوئی طاقت ہے۔ اس لئے اب دُنیا کے سامنے سب سے بڑا خطرہ کمیونزم کا ہے۔ نیا چین اس خطرے کا مجسمہ ہے۔"

ایک اور اخبار میں جو کسی طرح بھی کمیونزم کا دوست نہیں کہا جا سکتا بین الاقوامی صورت حالات کی کچھ اور ہی صورت بیان کی گئی ہے:۔

"دُنیا کے دو تہائی حصے میں جو یورپ سے جاپان تک ایک قوس کی طرح پھیلا ہوا ہے کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی اتحاد کا رشتہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جسے یونائیٹڈ سٹیٹس (امریکہ) کی منظوری اور حمایت حاصل نہ ہو۔"

(ٹائمز لندن۔ ۲۹ اگست ۱۹۵۱ء جس کا رجنی پام دت نے اکتوبر ۱۹۵۱ء کے لیبر منتھلی میں حوالہ دیا)

ان میں سے کونسی تصویر سچی ہے؟ ان میں سے کونسی تصویر حقیقت کی آئینہ داری کرتی ہے؟ دُنیا کا دو تہائی حصہ سامراجی طاقتوں اور ان کے پٹھوؤں کے پاؤں تلے روندا جا رہا ہے اور کراہ رہا ہے۔ کوریا کے لوگوں کا جراثیمی جنگ کے ذریعہ قتل عام کیا جا رہا ہے۔ برطانوی ہوائی

بیڑے کے بمبار ملایا کے گاؤں کے گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹاتے جا رہے ہیں۔ ویت نام اور انڈونیشیا میں جارحانہ جنگیں لڑی جا رہی ہیں۔ افریقہ میں انسان کے ابتدائی حقوق کو نسلی امتیاز کے ذریعہ کچلا جا رہا ہے۔ ہمارے ملک کی اقتصادیات پر برطانوی سامراج کا غلبہ ہے اور امریکہ کا گھسنے چلے آنا ہمارے ملک کی آزادی کو ایک افسانہ بنائے جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر سرمایہ داری اور سامراج پھر بھی "ہاری ہوئی طاقتیں" ہیں۔ "مرتی ہوئی طاقتیں" ہیں۔ اور انسانیت کو آج جو سب سے بڑی جنگ لڑنی ہے۔ وہ کمیونزم کے خلاف ہے۔ یعنی دنیا کے ایک تہائی حصے کے خلاف جہاں سرمایہ داری اور سامراج کی حکومت مٹا دی گئی ہے۔ جہاں عوام ایک نئی زندگی کی تعمیر کر رہے ہیں۔ وہ جنگ ان کمیونسٹ پارٹیوں کے خلاف ہے۔ جو دنیا کے ہر ایک حصے میں سامراج کے خلاف جنگ کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ کمیونزم سے نفرت۔ یہ ہے جمہوری سوشلزم کا "بین الاقوامی نقطۂ نظر"۔ یہ ہے وہ نقطۂ نظر جس کے مطابق تمام بڑے بڑے سوالوں پر اس کی پالیسیاں ڈھالی جاتی ہیں۔

یہ ان لوگوں کا نقطۂ نظر ہے جو سرمایہ دارانہ اور سامراجی لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے کے لئے لڑی جانے والی عوام کی تمام انقلابی جدوجہدوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

یہی نقطۂ نظر تھا۔ جس کی وجہ سے سوشلسٹ لیڈروں نے اعلان کیا کہ جن حلقوں میں کسی کمیونسٹ کی کامیابی کا "خطرہ" ہوگا۔ وہاں وہ کانگریس کی حمایت کریں گے!

یہی وہ نقطۂ نظر تھا جس کے باعث انہوں نے کوریا میں امریکی مداخلت کو خوش آمدید کہا۔ اور جس کی وجہ سے انہوں نے اس وقت بھی چپ سادھے رکھی۔ جب امریکی سامراجیوں نے اٹم بم چلانے کی دھمکی دی۔ کیونکہ ٹرومین نے بھی یہ اعلان کر رکھا تھا کہ اس کا مقصد کمیونزم کی باڑھ کے راستے میں بند باندھنا ہے۔ اسی نقطۂ نظر کے نتیجے کے طور پر سوشلسٹ پارٹی نے مدراس میں ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں ہندچینی اور ملایا کے لوگوں کی توجہ سامراج کے خلاف قومی اتحاد کی ضرورت کی طرف نہیں دلائی گئی تھی۔ بلکہ اس "خطرے" کی طرف دلائی

گئی تھی کہ کمیونسٹ گروہ وہاں ڈکٹیٹر شپ قائم نہ کر لیں۔ اور یہ ملک سوویت بلاک کا دُم چھلا نہ بن جائیں۔ اس نقطۂ نظر نے شری لوہیا کو ۷ ، اپریل ۱۹۵۲ء کے "جنبل" میں یہ لکھنے پر مجبور کیا " ہند سرکار نے ایک لمبے عرصہ تک چین پر صحیح پالیسی اختیار کئے رکھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہند اور دوسرے ایشیائی ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیاں مضبوط ہو گئیں۔ یہ ایک نہایت ناسمجھی کی حرکت تھی۔"

اور اسی نقطۂ نظر کے باعث انہوں نے امریکی امداد اور کمیونٹی پراجیکٹوں کو خوش آمدید کہا۔ کیونکہ امریکی سامراجیوں کے کہنے کے مطابق اس کا مقصد "کمیونزم کی ترقی کو روکنا" تھا۔ ایسے نظریے برطانوی اور امریکی سامراج کے سوا اور کس کی مدد کر سکتے ہیں؟ وہ بھی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف جمہوریت کے حمایتی ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اور اپنے ہر جرم کو یہ بہانہ پیش کر کے جائز قرار دیتے ہیں کہ کمیونزم کو دبانے کیلئے ایسا کرنا لازمی ہے۔ ایسے نظریے اس نہرو حکومت کے سوا اور کس کی امداد کر سکتے ہیں۔ جو اس بہانے سے احتیاطی نظربندی ایکٹ کی میعاد میں بار بار توسیع کر رہی ہے کہ سماج کو کمیونسٹ تشدد سے بچانا ضروری ہے؟ ایسے نظریے سب سے بڑے ذاتی مفاد رکھنے والے بدترین رجعت پسندوں کے علاوہ اور کس کی مدد کر سکتے ہیں۔ جو "سرخ خطرے" کا ہوا بنا کر اور عوام کی صفوں میں پھوٹ ڈال کر اپنی حکومت ہمیشہ کیلئے قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

لیکن آیئے ہم شری جے پرکاش نارائن کے اس بیان کے نظریاتی اور عملی نتائج کا گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ "سرمایہ داری تواریخ کی ہاری ہوئی طاقت ہے۔" اس کا اصلی مطلب کیا نکلتا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ سرمایہ داری اپنے سامراجی دور میں داخل ہو کر تواریخی طور پر ایک فرسودہ طاقت ہو جاتی ہے اور کوئی بھی ترقی پسندانہ قدم اٹھانے کے قابل نہیں رہتی؟ اگر ان کا یہ مطلب ہے تو یقیناً وہ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات عالمی پیمانہ پر بیسیوں برسوں سے صحیح چلی آتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ سوشلسٹوں بلکہ عام جمہوریت پسندوں کے لئے سامراج کے خلاف جدوجہد اصلی جدوجہد نہ تھی۔

رجواڑہ شاہی اور جاگیردارانہ نظام بھی تواریخی طور پر فرسودہ ہو چکے ہیں یعنی جے پرکاش

نارائن کے لفظوں میں "وہ تواریخ کی ہاری ہوئی طاقتیں" ہیں لیکن "ہاری ہوئی طاقتیں" اپنی مرضی سے کبھی میدان نہیں چھوڑتیں۔ اس کے برعکس یہ کہ وہ تواریخی طور پر فرسودہ ہو چکی ہیں۔ انہیں اور بھی جابر اور موذی بنا دیتا ہے۔ وہ ہر ارتقاء کا گلا گھونٹتی ہیں۔ ہر طرح کی ترقی کے راستے میں روڑا اٹکاتی ہیں۔ اور عوام کو پستی کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے اپنے تجربے سے دیکھا ہے۔ ان کا تاریخی طور پر فرسودہ طاقتیں ہونا ہی اس بات کو لازم بنا دیتا ہے کہ تمام سچے انقلابی انہیں مٹانے کے کام پر اپنی ساری طاقت مرکوز کر دیں۔ کیونکہ جب تک یہ ختم نہیں ہوتیں۔ کوئی ترقی ممکن نہیں کیا شری جے پرکاش نے یہ بات کبھی نہیں سنی؟ کیا انہوں نے یہ کبھی نہیں سنا؟ کہ "یہ ہاری ہوئی طاقتیں" یہ تواریخی طور پر فرسودہ نظام ہی سب سے زیادہ رجعت پرست ہوتے ہیں کہ وہ سائنس اور فن کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ کلچر میں زہر بھر دیتے ہیں۔ انحطاط کے گن گاتے ہیں۔ کروڑوں عوام کو نیم حیوانی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور اپنے متذبذب وجود کو قائم رکھنے کے لئے انسانیت کو جنگ کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں؟ کیا انہوں نے کبھی نہیں سنا۔ کہ سرمایہ داری کی "ہاری ہوئی طاقت" نے ہی دنیا پر فاشسزم کے خوفناک مظالم ڈھائے۔ اور انسانی تواریخ کی سب سے زیادہ تباہ کن جنگ چھیڑی؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ آج امریکی سامراج جو ایک "ہاری ہوئی طاقت" ہے۔ اس ہٹلرانہ پالیسی کو بہت بڑے پیمانہ پر عمل میں لا رہا ہے اور دنیا کے ہر حصے میں "ہاری ہوئی طاقتوں" کو سہارا دے رہا جن کے چند نمونے چیانگ باؤدائی اور سنگمین ری ہیں۔ اور کہ وہ کوریا اور چین کے عوام کے خلاف جنگ آزما ہے اور سامراجی برطانیہ اور فرانس کی "ہاری ہوئی طاقتوں" کی امداد کر رہا ہے۔ تاکہ غلام قوموں کی بغاوت کو خون میں ڈبو دے۔ اور وہ ایٹم بم دکھا دکھا کر ڈرا رہا ہے۔ جراثیمی جنگ چھیڑے ہوئے ہے۔ اور دنیا بھر کو ختم کر دینے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اور کیا ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ رجعت پرست انقلاب دشمن طاقتوں کے خلاف جدوجہد آج ہر سوشلسٹ اور ہر جمہوریت پرست کیلئے ایک بنیادی جدوجہد ہے۔ ایک ایسی جدوجہد جس میں سب جمہوری طاقتوں کو متحد ہونا چاہیئے۔

"کمیونزم اصل دشمن ہے" یہ نعرہ ہٹلر اور مسولینی کا تھا اور ان سوشل ڈیموکریٹوں کا تھا جن کی مدد سے فاشسزم کو اقتدار حاصل ہُوا۔ ٹرومین اور چرچل کا نعرہ بھی یہی ہے۔ کہ کمیونزم ہی اصل دشمن ہے۔ آج تک جن طاقتوں نے بھی اپنے ملک میں جمہوریت کو کچلنا چاہا یا دوسرے ملکوں پر قابض ہونے کی غرض سے لڑائی چھیڑنی چاہی۔ انہوں نے اپنے اصل مقصد کو چھپانے کے لئے یہی نعرہ لگایا کہ کمیونزم ہی اصل دشمن ہے۔ یہ ایک المناک حادثہ ہے کہ جمہوری سوشلزم کے لیڈروں نے تواریخ سے اور روزمرہ کے واقعات سے کچھ نہیں سیکھا۔ بلکہ انہوں نے اسی دلیوالیہ نعرہ کو اپنا بنیادی نعرہ بنا لیا ہے اور اسی پر اپنی قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں کی بنیادیں قائم کی ہیں۔

باب چہارم

جمہوری سوشلزم کے سیاسی مقاصد

سرمایہ دارانہ جمہوریت اور عوامی جمہوریت

سوشلسٹ لیڈروں کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ سوویت یونین اور عوامی چین کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں جمہوریت سے پیار ہے۔ شری جے پرکاش نارائن نے مدراس کانفرنس میں کہا کہ مغربی یورپ کے سرمایہ دار ملکوں میں "پوری جمہوریت" موجود ہے اور متحدہ ہندستانی سٹیٹ میں بھی "اچھی خاصی جمہوریت" پائی جاتی ہے لیکن جہاں جہاں کمیونسٹوں یا ان کے ساتھیوں نے فتح حاصل کر لی ہے۔ وہاں جمہوریت کا شائبہ تک موجود نہیں۔ اِسلئے کمیونسٹوں کے ساتھ

کوئی متحدہ محاذ بنانا ممکن نہیں مگر دوسری طرف ڈاکٹر امبیدکر اور جے پال سنگھ کے ساتھ اتحاد کیا جا سکتا ہے اور بد نام فرقہ پرست ڈی پی مصرا تک کو سوشلسٹ پارٹی میں لیا جا سکتا ہے

شری اشوک مہتہ لکھتے ہیں :-

"میرا یہ دعوےٰ ہے کہ جمہوریت سوشلزم کا دل ہے۔ ہم جمہوریت کے دائرے سے باہر سوشلزم کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ ممکن نہیں کہ ایک انسان سے اس کی زندگی چھین لی جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ زندہ ہے جسم اور روح مل کر انسان بنتے ہیں۔ جمہوریت اور سوشلزم کے ملنے سے۔ اور صرف انہیں کے ملنے سے ــ وہ آدرش حاصل ہو سکتا ہے جس کو ہم سب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا ان دونوں میں علیحدگی ممکن نہیں۔"

(جمہوری سوشلزم صفحہ ۱۹۷)

جذبات قابل قدر ہیں اور انداز بیان حسین ہے مگر صرف جمہوریت کا لفظ دہرا دینا کافی نہیں جمہوریت کی تعریف کرنا لازمی ہے۔ جمہوریت کی طبقاتی نوعیت ظاہر کرنا ضروری ہے۔ یہ صاف کرنا لازمی ہے کہ جمہوریت کیلئے کون سے حالات کا ہونا ناگزیر ہے اور جمہوری نظام کس طرح اپنا کام کریگا۔ جمہوریت کی کونسی قسم ہے جس سے واقعی عوام کا اقتدار قائم ہوگا؟ کیا اس مطلب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر بالغ کو ووٹ دینے کا حق ہو؟

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اس سوال کے جواب میں کہتی ہے ــ نہیں! ـ اتنا ہی کافی نہیں۔ عوام کی سچی حکومت قائم کرنے اور انہیں اپنی قسمت کا مالک بنانے کے لئے لازمی ہے کہ زبردست اقتصادی اور سماجی تبدیلیاں کی جائیں اور اس کے ساتھ ہی سٹیٹ (ریاست) کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ اس کے بغیر جمہوریت سچی جمہوریت نہیں ہو سکتی۔ وہ عوام کی جمہوریت نہیں ہوگی۔

کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے کہ

"بالغ حق رائے دہندگی مزدور طبقہ اور عوام کی پختگی کو ناپنے کا آلہ ہے اور رسمی طور پر

جمہوریت کا ایک عنصر ہے۔ لیکن جب تک زمین کسانوں کی نہیں بلکہ زمینداروں کی ملکیت رہتی ہے۔ جب تک زمینداروں اور سرمایہ داروں کی طاقت کھیتوں اور کارخانوں میں جنتا کو غلام بنائے رکھتی ہے جب تک پریس اور پراپیگنڈہ کے ذرائع کو اپنے قبضہ اختیار میں رکھتے ہوئے سرمایہ دار عوام کو جھوٹ کا نشہ پلاتے رہتے ہیں۔ جب تک روپیہ کی طاقت۔ مذہبوں اور ذاتوں کی کشمکش اور رقابتوں کو عوام میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں کمزور کرنے کیلئے استعمال کرتی ہے۔ جبتک نوکر شاہ اور پولیس سیاسی پارٹیوں پر پابندیاں لگاتے رہتے ہیں۔ شہری آزادی گلا گھونٹتے رہتے ہیں۔ اور قانون ساز اسمبلیوں میں جنتا کے چنے ہوئے نمائندوں تک کو اُن کے سیاسی خیالات اور ایماندارانہ کام کے لئے مقدمہ چلائے بغیر نظر بند کر دیتے ہیں۔ تب تک چناؤ کھلے ہوئے عوام کی سچی خواہش اور سچے مفاد کو ظاہر نہیں کر سکتے۔"

اسی لئے پروگرام میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ جاگیرداری کو بلا معاوضہ ختم کیا جائے۔ برطانوی سرمایہ ضبط کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ نوکر شاہی اور پولیس کی طاقت ختم کیلئے۔ اور سٹیٹ کی طاقت ان اداروں کو سونپی جائے جنہیں عوام نے منتخب کیا ہو۔

سوشلسٹ پارٹی بھی اقتصادی نظام میں کئی تبدیلیاں کرنے کی تجویز رکھتی ہے۔ ہم ان تجاویز کا یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ اس وقت ضروری یہ ہے کہ سٹیٹ (ریاست) کے ڈھانچے میں کیا تبدیلیاں کی جائیں؟

اس سوال پر۔ جو جمہوریت کا بنیادی سوال ہے۔ سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر کہتے ہیں:۔

"یقیناً شہری چند سالوں میں ایک دفعہ ووٹ دینے کے بعد سو نہیں جائیں گے۔ اُن کا نظم و نسق کے عمل کے ساتھ لگاؤ پیدا کرنا لازمی ہے۔ اس لگاؤ میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اس کی پیچیدگیوں کو توڑنا پڑیگا۔ مرکز میں چاہے پارلیمنٹ رہے لیکن اس کے نیچے صوبائی اسمبلیاں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ گاؤں پنچائتیں کواپریٹو۔ وارڈ کمیٹیاں کمیونٹی سنٹر ہوں گے۔ یہ ہے اس جمہوری سٹیٹ (ریاست) کا جاندار ڈھانچہ۔ جس کا ارتقا بھی ہیگ

صدی میں ہوا ہے۔" (اشوک مہتہ جمہوری سوشلزم)

ڈسٹرکٹ بورڈ۔ گاؤں پنچائتیں۔ یہ سب ہونگی۔ لیکن وہ کرینگی کیا؟ کیا انہیں حکومت کرنے کی طاقت حاصل ہوگی؟ کیا انہیں انتظامی اختیارات حاصل ہوں گے۔ نہیں نہیں! ان کا کام ہو گا "حکومت کے نظم ونسق کے عمل کے ساتھ عوام کا لگاؤ پیدا کرنا" جسے چلانے والی آج کی طرح نوکر شاہی اور پولیس ہوگی۔ صرف "نظم و نسق کے طریقے کی پیچیدگیاں" توڑی جائینگی۔ سٹیٹ (ریاست) کی مشینری جُوں کی توں رہیگی۔ سٹیٹ کا ڈھانچہ وہی رہیگا جو آج ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شری اشوک مہتہ صرف اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ اپنے الیکشن مینی فیسٹو "ہم سوشلزم کیلئے تعمیر کرتے ہیں" میں سوشلسٹ پارٹی نے اپنی ٹھوس تجویزیں یوں رکھی ہیں۔

"غریب طبقوں کے بہت سے قانونی حقوق استعمال نہ کئے جانے کی وجہ سے بیکار رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ عدالتی نظام بہت مہنگا اور پیچیدار ہے اسلئے انصاف سستا اور جلد حاصل ہونیوالا بنایا جائے گا۔ عدالتیں عوام کے قریب جائیں گی۔ تفتیش اور سزا دینے کے کام علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائینگے نوکر شاہی کا سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ حکومت کی ہر سطح کے ساتھ رائے عامہ کا بطور صلاح کار کے لگاؤ پیدا کیا جائے۔ اگر متعلقہ افسران کی صلاح رد کر دے تو اُس کیلئے لازمی ہوگا کہ وہ اپنے سے اُوپر کے افسر کو اس کی وجہ بیان کرے۔"

"ہر محکمے کا افسر اعلےٰ وقتاً فوقتاً اپنے سٹاف کی میٹنگ کیا کرے گا۔ تاکہ دفتر کے کام کا جائزہ لیا جا سکے۔ اور کارگذاری بہتر بنانے اور دفتری گھس گھس دُور کرنے کے لئے تدابیر کی جا سکیں۔ یہ رپورٹیں ہیڈ کوارٹر کو بھیجی جائیں۔ ان سٹاف میٹنگوں سے یہ مدد ملے گی کہ عام کارکنوں میں سے لائق عناصر کا پتہ لگ جائے گا جنہیں خاص ٹریننگ اور اپنی اُپج سے کام کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

آئین ساز اداروں میں ایسی سٹینڈنگ کمیٹیاں بنائی جائیں گی۔ جن کے پاس مختلف شعبوں کا چارج ہوگا۔ وہ ہر اہم موضوع پر عوام کی شہادت اکٹھی کریں گی۔ سرکاری کارندوں

اور غیر سرکاری اشخاص پر سوال کریں گی۔ اور سرکاری کارندوں اور صلاح کار کمیٹیوں میں اختلاف رائے دُور کرنے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

"نظم ونسق حُسن انتظام اس طرح پیدا کیا جائے گا کہ نشانے مقرر کئے جائیں گے اور افسروں کے حُسن کارکردگی کا آڈٹ شروع کیا جائے گا۔ اور اسی بنیاد پر ان کی ترقی یا تنزلی کی جائے گی۔

"رشوت ستانی اور کنبہ پروری کا احتساب کرنے کے لئے ایک بددیانتی دشمن محکمہ قائم کیا جائے گا۔ اس محکمہ کو کوئی شخص بھی حرکت میں لا سکیگا۔ عرضی آنے پر یا اپنے طور پر یہ محکمہ ہر معاملہ کی جانچ پڑتال کر سکے گا اور تمام کاغذات اور اطلاعات کا معائنہ کرنے کا مجاز ہوگا۔ اگر جرم ثابت ہو گیا اور وہ معمولی جرم ہے تو یہ محکمہ اس کا فوراً فیصلہ کر دیگا۔ اگر جُرم سنگین ہوگا تو محکمہ استغاثے کا کام کریگا۔ اور خاص عدالتوں سے اسے سزا دلوانے کا ذمہ دار ہوگا۔ جنہیں آئین قائم کریگا۔ (ہم سوشلزم کے لئے تعمیر کرتے ہیں)۔

میں نے یہ لمبا اقتباس اس لئے دیا ہے تاکہ یہ شکایت پیدا نہ ہو کہ پوزیشن توڑ مروڑ کر پیش کی جا رہی ہے۔ ان میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ یہ تجویزیں گھسی پٹی۔ بار بار دہرائی ہوئی اور عام قسم کی ہیں۔

"انصاف سستا اور آسان کر دیا جائے گا" کیسے؟ رائے عامہ کا "ایگزیکیٹو کے ساتھ ہر سطح پر صلاح کار کی حیثیت میں لگاؤ پیدا کیا جائے گا" بالکل اسی طرح جس طرح انگریز وائیسرائے کی کونسل کے ذریعہ رائے عامہ کا لگاؤ پیدا کیا کرتے تھے "رشوت اور بد دیانتی کو ایک بد دیانتی دشمن محکمہ بنا کر ختم کیا جائے گا۔" اس محکمہ کو مقرر کون کریگا؟ اس میں شامل کون کون ہونگے؟

یہ اچھی طرح نوٹ کرنا چاہیئے کہ سوشلسٹ پارٹی کہیں بھی افسروں کے چناؤ یا ججوں کے چناؤ کا ذکر نہیں کرتی نہ ہی ان افسروں سے ہر سطح پر عوامی ادارہ کے ذریعہ کنٹرول کا ذکر کرتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں اور تمام سرمایہ دار ملکوں میں عوام کا حق چند سالوں میں

ایک بار ووٹ دینے تک محدود ہوتا ہے۔ حکومت کا کام نوکرشاہی کے افسر یعنی دائمی سول سروس اور پولیس چلاتی ہے۔ اس نظام نوکرشاہی میں لوگ سوائے اپنے اعلےٰ افسران کے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتے۔ نوکرشاہی کے ہر محکمہ کے اعلےٰ افسران ایگزیکٹو کے افسر اعلےٰ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ ان کے خاص حقوق اور خاص مراعات ہوتی ہیں۔ اور ان کا رویہ عوام کے خادموں جیسا نہیں۔ بلکہ عوام کے مالکوں کا سا ہوتا ہے۔ تمام نظم و نسق یہی نوکرشاہی چلاتی ہے۔ پنچایتوں۔ میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کی طرح کے مقامی منتخب شدہ اداروں کا خاص محدود دائرے کے سوا درحقیقت بہت کم اختیار ہوتا ہے۔ اوپر کے بیشتر افسر صاحب جائداد طبقوں کے ہوتے ہیں اور رشتے ناطوں اور مجلسی بندھنوں کے ذریعہ انہیں طبقوں کیساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے۔ نوکرشاہی۔ پولیس اور فوج کے نچلے درجوں تک میں عوام کے لئے حقارت کا جذبہ بھرا جاتا ہے۔ انہیں عوام سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے انہیں ٹریڈ یونین بنانے کے حقوق نہیں دیئے جاتے انہیں جمہوری لٹریچر پڑھنے سے باز رکھا جاتا ہے۔ اور انہیں سکھایا جاتا ہے کہ اوپر کے افسروں سے جو بھی حکم ملے اس کی بلا سوچے سمجھے تعمیل کریں۔

سوشلسٹ لیڈروں نے ہندوستان کے آئین کے بارے میں کہا ہے کہ یہ کافی حد تک جمہوری ہے۔ کیونکہ آئین میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام شہریوں کو "تقریر اور اظہارِ خیال کی آزادی" ہے۔ "پرامن طور پر اکٹھے ہونے کی آزادی" ہے "جتھہ بندیاں اور یونینیں بنانے کی آزادی" ہے۔ مگر اسی آئین میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تمام آزادیاں کسی طرح بھی "موجودہ قوانین" کے لاگو ہونے پر اثر نہیں رکھتیں یعنی ان قوانین کے جو انگریز نے بنائے تھے۔

ہر ہندوستانی جانتا ہے کہ یہ قوانین کیا ہیں؟ انہیں پہلے کون استعمال کیا کرتا تھا۔ اور اب کون استعمال کرتا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۷ سے ۱۳۲ تک کسی بھی مجسٹریٹ یا کسی پولیس چوکی کے کسی انچارج افسر کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ پانچ یا اس سے زیادہ اشخاص کے کسی بھی مجمع کو غیر قانونی قرار دے سکتے

ہیں۔ اور اسے زبردستی منتشر کر سکتے ہیں۔ اگر "ضروری" سمجھا جائے۔ تو فوج بھی بلائی جا سکتی ہے اگر مجسٹریٹ موجود نہ ہو تو فوج کا کوئی بھی کمینشنڈ افسر یہ اختیارات استعمال کر سکتا ہے عوام کے چُنے ہوئے بڑے سے بڑے ادارے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مجسٹریٹ۔ پولیس یا فوجی افسر کے اختیار یا فیصلے پر اعتراض کر سکیں۔ صرف وہی اِس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ طاقت کا استعمال کب کیا جائے اور کس صورت میں کیا جائے اور طاقت کے استعمال سے کتنی بھی تباہی کیوں نہ ہو جائے۔ کسی مجسٹریٹ پولیس یا فوجی افسر کو کسی طرح قصور وار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر اس نے "نیک نیتی" سے کام کیا ہو۔ حکومت کی اجازت کے بغیر کسی افسر یا اس کے ماتحت کے خلاف مقدمہ تک نہیں چلایا جا سکتا۔

کانگریس نے ان دفعات میں صرف ایک ہی خوبی پیدا کی ہے اور وہ یہ کہ کوئی بھی مجسٹریٹ غیر قانونی جلسہ منتشر کرنے کیلئے صرف فوج ہی نہیں بلکہ بحری اور ہوائی فوجیں بھی بُلا سکتا ہے۔

دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت نوکر شاہی اور پولیس کو بہت وسیع قسم کے اختیارات دیئے گئے ہیں اگر وہ ضروری سمجھیں تو کسی بھی جلسے یا جلوس کو ممنوع قرار دے سکتے ہیں۔ لوگوں کی زبان بندی کیجا سکتی ہے اور تمام شہری آزادیاں ختم کی جا سکتی ہیں۔ ضلع مجسٹریٹ ضلع کے عوام کی قسمت کا واحد مالک ہے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ احتیاطی نظر بندی ایکٹ کے تحت انگریز کیسو کو کیا کیا اختیارات دیئے گئے ہیں اور ان اختیارات کو کس طرح استعمال کیا گیا ہے۔

ان اختیارات کے علاوہ تلاشی۔ گرفتاری اور استغاثہ کے اختیارات بھی نوکر شاہی اور پولیس ایسے طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سب کوئی اور خصوصاً غریب طبقے ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ پولیس کا کسی گاؤں میں چلا جانا گاؤں کے لوگوں کے دلوں میں دہشت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

ان تمام اُمور نے جمہوریت کو ایک تماشا اور ایک افسانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

کیا سوشلسٹ لیڈر نوکر شاہی کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس کے اختیارات چھین لئے جائیں؟ اس کے برعکس وہ صرف یہ تجویز کرتے ہیں کہ "نظم و نسق

کی مشینری صرف رائے عامہ سے متاثر نہ ہوتی ہو۔ بلکہ اسے ایماندار غیر جانبدار۔ لائق اور کفائت
شعار بھی ہونا چاہیئے" (سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے ہندوستانی جمہوریت کا مجوزہ آئین)

اس کے ساتھ تو کانگرسی لیڈر بھی متفق ہیں۔ شری مرارجی ڈیسائی۔ شری پی۔ سی
رائے اور راجہ جی نے اس طرح کے اپدیش بار بار افسروں کو دیئے ہیں۔

عدالتوں کے بارے میں سوشلسٹ لیڈر کہتے ہیں:۔

"عوام کے منتخب شدہ جج سب سے خراب ہوتے ہیں۔ عوامی انتخابات سے ججوں کا اخلاق گرتا
ہے۔ اس سے جج کے سیاست دان بن جانے کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ججوں کے ذہن پہ
ایسا بوجھ پیدا ہوتا ہے۔ جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

اس لئے عوامی عدالتیں سب سے نچلے مرحلے پر (صرف سب سے نچلے مرحلے پر۔ گھوش)
چاہے بنا بھی لی جائیں (صرف" چاہے بنا بھی لی جائیں") مگر نچلی عدالتوں کے جج پبلک سروس
کمیشن کی سفارش پر ایگزیکٹو افسران مقرر کریں اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج۔ ماہرین
قانون کی سفارش پر اور آئین ساز اداروں کی مرضی کے مطابق یا بغیر مرضی کے مقرر کئے جائیں"

ڈیموکریٹک سوشلزم کے لیڈر سرمایہ دارانہ تصورات میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ وہ
اس تجویز سے آگے نہیں جا سکتے۔ کہ رائے عامہ کا نظم و نسق کی مشینری کے ساتھ صلاح کارانہ
حیثیت میں لگاؤ پیدا کیا جائے۔ اور "ایماندار۔ غیر جانبدار۔ لائق اور کفائت شعار" نوکر شاہی
ہو اور پبلک سروس کمیشن کی سفارش پہ جج مقرر ہوں۔ (خود پبلک سروس کمیشن کے بارے میں یہ
تجویز ہے کہ موجودہ آئین کے مطابق اُسے ہندوستان کی فیڈریشن کا پریزیڈنٹ مقرر کرے۔)

یہ ہے مکمل جمہوریت کے بارے میں ان کا تصور ہے وہ مکمل جمہوریت جو ڈیموکریٹک
سوشلزم کے لئے مناسب ڈھانچے کا کام کرے گی۔

عوام کو بس اتنا ہی کرنا ہے کہ وہ سوشلسٹ پارٹی کو ووٹ دیں تا کہ اسے آئین ساز مجلسوں
میں اکثریت حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد سوشلسٹ وزیر یہ قدم اٹھائیں گے کہ "رائے عامہ کا نظم و نسق

کیسا لگاؤ پیدا کر دیں گے " ایماندار اور غیر جانبدار " افسر اور جج مقرر کریں گے " بد دیانتی و دشمن محکمہ قائم کر دیں گے " اور جمہوری سوشلزم کے دور کا آغاز کر دیں گے۔

آگے چلنے سے پہلے ہم اس بنیادی پیرے کا اقتباس دوبارہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں ڈھانچے کی تبدیلی کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

" نوکر شاہی کا سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ حکومت کی ہر سطح کے ساتھ رائے عامہ کا بطور صلاح کار کے لگاؤ پیدا کیا جائے۔ اگر متعلقہ افسر اُن کی صلاح رد کر دے تو اُس کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ اپنے سے اُوپر کے افسر کو اس کی وجہ بیان کرے۔"

عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندے متوازی نوکر شاہی کو صرف صلاح دینگے نوکر شاہی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ یہ صلاح منظور کر دیں اور کم از کم اس وقت جیسا چاہیں کریں۔ انہیں صرف " اس کی وجہ " اپنے اُوپر کے افسر کو یعنی نوکر شاہی کے اُوپر کے افسر کو بتانی پڑیگی۔ نوکر شاہی نظام بطور نظام کے ویسے کا ویسا رہے گا۔ اُسے کوئی چھو تک نہ سکے گا۔

جمہوریت کے اس نظریے کا موازنہ اس نظریے سے کیجئے۔ جو ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے مینی فیسٹو میں دیا گیا ہے:۔

" عوامی جمہوری حکومت دوسری باتوں کے علاوہ عام آدمیوں کی حکومت ہوگی۔ چند امیر آدمیوں کی نہیں۔ اس لئے اسٹیٹ کی ساخت ہی بجائے خود ایسی ہوگی۔ جو یقین دلا سکتی ہے کہ خود عوام کی مؤثر حکومت رہے گی۔ منتخبہ عوام کی جدوجہد کے وہ ادارے جو موجودہ راج کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس راج کو ختم کر کے خود ہی نئی سٹیٹ (ریاست) کے اقتدار کی بنیاد بن جائیں گے۔

کانگریس نے انگریزوں کی طرح نوکر شاہی اور پولیس راج قائم رکھا ہے۔ اس لئے کہ وہ انگریزوں کے قائم کئے ہوئے لوٹ کے نظام کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ عوامی جمہوری حکومت

ریاست کے موجودہ ڈھانچہ کو کامل طور پر ختم کر دے گی۔ اس کے ساتھ ہی نوکر شاہی اور پولیس راج بھی ختم ہو جائے گا۔

"عوامی جمہوری حکومت کے چھوٹے سے بڑے تک تمام ادارے عوام کے چنے ہوئے ہوں گے اور عوام کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ ہر ایسے نمایندے کو واپس بلا لیں جو عوام کی طرف اپنے فرائض سے کوتاہی کرے۔

"اسٹیٹ کے تمام اختیارات ان چنے ہوئے اداروں میں مرکوز ہوں گے اوپر سے کوئی نوکر شاہی دباؤ نہیں ہو گا۔ عوام سے بلند کوئی ایسی پولیس نہ ہو گی۔ جو عوام کے سامنے جوابدہ نہ ہو اور جسے عوام برخاست نہ کر سکیں۔ چھوٹے بڑے تمام عہدیدار عوام کے چنے ہوئے ہوں گے۔ عوام خود ہی ان کی تنخواہوں کا تعین کریں گے۔ پولیس کے دستوں کی جگہ عوام کے رضاکار دستوں کو دی جائے گی جس کو عوام اپنے اقتدار کے اداروں کے ذریعہ تشکیل دینگے اور وہی اس پر کنٹرول رکھیں گے اور اس کی رہنمائی کریں گے۔

"اقتدار کے یہ ادارے جنتا کے عملی تعاون کے ساتھ ٹیکس عائد کریں گے۔ جو زیادہ تر دولتمندوں سے حاصل کئے جائیں گے۔ اور انہیں اس طرح خرچ کیا جائے گا کہ عوام کے مفادات کی خدمت ہو سکے۔ وہ اس بات کا تحفظ کریں گے کہ مساوی طور پر زمین کی تقسیم کا پروگرام عمل میں آئے پیداوار میں اضافہ ہو۔ اور اس کی مناسب تقسیم ہو۔ رہنے کے مکانوں کی ضرورت کے لحاظ سے تقسیم، نئے مکانات کی تعمیر، پناہ گزینوں کو پھر سے بسانا۔ بیماریوں اور ان پڑھتا کا خاتمہ، عورتوں کی معاشی اور سماجی آزادی، اقلیتوں کی حفاظت، عوام کے دشمنوں کا خاتمہ اور سماجی برائیوں کا خاتمہ ہو۔

"ایک ایسی حکومت جس کی بنیاد اقتدار کے مقامی اداروں پر قائم ہو۔ عوام کی حکومت ہو گی۔ اس لئے کہ یہ حکومت عوام کے ذریعے ہو گی۔ وہ اس قابل ہو گی۔ کہ فوج، پولیس اور نوکر شاہی پر خرچ ہونے والے بھاری بجٹ میں کمی کرے اور اپنے ذرائع آمدنی کو زیادہ تر عوام کی

زندگی کی ترقی کے لئے وقف کردے۔

وہ کمیونسٹ پارٹی عوام کے سامنے بڑے بڑے دعووں کے ساتھ نہیں آتی ہے کہ اقتدار حاصل ہونے کے بعد وہ یہ یہ کام کرے گی۔ وہ تفصیلی منصوبے اور بلند آہنگ سکیمیں پیش نہیں کر رہی ہے کہ عوام اس کو ووٹ دیں گے تو وہ ان منصوبوں اور سکیموں کو روبہ عمل لائے گی بلکہ وہ عوام سے یہ کہتی ہے کہ اپنی مشکلات اور مصائب کے خاتمے کے لئے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے ایک پُرمسرت زندگی کی تعمیر کی خاطر انہیں خود اپنی حکومت تشکیل دینی ہو گی اور اپنے ہاتھوں میں اقتدار لینا ہو گا۔" (ہند کمیونسٹ پارٹی کا چناوٴ مینی فیسٹو)

جمہوریت کی ان دو قسموں کے فرق میں دو دُنیاؤں کے فرق کی اصلیت پوشیدہ ہے۔ لُوٹنے کھسوٹنے والوں کی دُنیا اور آزاد دُنیا۔ یہ فرق ہے سچی جمہوریت اور رسمی جمہوریت کے درمیان۔

ایسی سچی جمہوریت کیسے قائم ہو گی؟ عوام کی جدوجہدوں کے ذریعہ ایسی جدوجہدیں نہیں آئین ساز اسمبلیوں کے اندر کی جدوجہدوں سے امداد ملے گی۔

" متحدہ عوام کی جدوجہد کے وہ ادارے جو موجودہ حکومت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس حکومت کو ختم کر کے خود ہی نئی سٹیٹ (ریاست) کے اقتدار کی بنیاد بن جائینگے۔"

یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی متحدہ عوامی جتھہ بندیاں بناتے اور عوامی جدوجہدوں کو فروغ دینے کے کام کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔

سوشلسٹ لیڈر ہم سے کہتے ہیں کہ ایسی جمہوریت کبھی وجود میں نہیں آسکتی۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ اُس سرزمین کے بارے میں مندرجہ ذیل اقتباس پڑھیں۔ جسے بُرا بھلا کہتے وہ کبھی نہیں تھکتے۔

"ہر ایک گاؤں، اور قصبے میں ہر شہر اور ہر ضلع میں، ہر ایک علاقے میں خطے میں اس کا اپنا سوویت ہے۔

" یہ مقامی سوویت ان نام نہاد لوکل سیلف اداروں سے بالکل مختلف ہیں جو زار کے زمانے میں ہُوا کرتے تھے اور آج بھی سرمایہ دار ممالک میں موجود ہیں۔ ان اداروں کو حکومتی نظم و نسق کے اختیارات نہ تب تھے نہ اب ہیں۔ حکومتی اختیارات مقامی طور پر ان افسروں کے ہوتے تھے اور ہوتے ہیں جو حکومت کی طرف سے مقرر ہوں۔

" سٹالن آئین کے مطابق محنت کش عوام کے نمائندوں کے مقامی سوویٹ کینی خطے سے لیکر گاؤں تک کے سوویت حکومتی اختیارات کے مقامی ادارے ہیں۔

" مقامی سوویت اپنے اپنے حلقوں میں اقتصادی۔ کلچرل اور سیاسی نشوونما کا تعیّن کرتے ہیں۔ ان کے بجٹ بناتے ہیں۔ اپنے علاقے میں امن عامہ کے قیام کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ قانونوں پر عمل ہو رہا ہے اور شہریوں کے حقوق محفوظ ہیں۔ وہ ملک کی دفاعی طاقت بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ اپنی ایگزیکٹو کمیٹیاں چُنتے ہیں۔ جو ان کے سامنے اپنی تمام کارروائیوں کیلئے جوابدہ ہیں۔ وہ مختلف محکمے قائم کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے ذمے نظم و نسق کا کوئی شعبہ ہوتا ہے۔ مثلاً عوام کی تعلیم اور علاج۔ مقامی صنعت۔ تجارت اور سماجی ادارے۔

" محنت کش عوام کے نمائندوں کے سوویت ایسی سٹینڈنگ (مستقل) کمیٹیاں منتخب کرتے ہیں۔ جو ان کے کام میں عملی امداد کرتی ہیں۔ یہ کمیٹیاں سوویتوں کا آبادی کے ساتھ اور ان کے ووٹروں کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرتی ہیں۔ اور ریاست کا نظم و نسق چلانے کے کام میں عام لوگوں کو سرگرم کرتی ہیں۔" (زور دینے کے لئے الفاظ کو جلی میں نے کیا ہے)

(سوشل اینڈ سٹیٹ سٹرکچر آف یو۔ ایس۔ ایس۔ آر صفحہ ۳۴/۳۵)

سوویٹ ریاستی اقتدار کے ادارے ہیں۔ وہ عام لوگوں کو سٹیٹ (ریاست) کا نظم و نسق چلانے کے کام میں ان کا صرف لگاؤ ہی پیدا نہیں کرتے بلکہ انہیں سرگرم کرتے ہیں۔ لگاؤ پیدا کرنا اور سرگرم کرنا۔ ان دو فقروں میں سوویٹ ڈیموکریسی اور سب سے ترقی یافتہ بورژوا

ڈیموکریسی کے فرق کا نچوڑ موجود ہے۔

اور دیکھئے:۔

" سوویت عدالت کی بڑی بڑی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟ سوویت عدالتوں میں مقدموں کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں؟ "

" سٹالن آئین میں یہ اصول درج ہے۔ کہ تمام جج منتخب ہوں گے اور انہیں ہٹایا جا سکے گا۔

" ہر سوویت شہری جو ووٹ دینے کا حق رکھتا ہے۔ جج کے طور پر منتخب کیا جا سکتا ہے "

" سٹالن آئین کے مطابق عوامی عدالتوں کے ججوں کا انتخاب متعلقہ علاقے کے شہری کریں گے۔ یہ انتخاب بالغوں کی عام رائے دہی۔ براہ راست خفیہ اور مساوی چناؤ کے ذریعہ تین سال کیلئے ہوگا۔ ایسے جج کو اس کے ووٹر کسی وقت بھی نااہلیت کی بنا پر واپس بلا سکتے ہیں اور اس کی جگہ نیا جج منتخب کر سکتے ہیں۔ عوامی عدالتوں کے جج اپنے کام اور متعلقہ عدالتوں کے کام کے لئے اپنے ووٹروں کے سامنے جوابدہ ہیں " (صفحہ ۱۰۶)

یہ ہے سوویت یونین کی جمہوریت کی نوعیت۔

دنیا بھر کا علم رکھنے والے سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر یہ کہیں گے کہ یہ سب "پراپیگنڈا" ہے ہم انہیں یاد دلانا چاہتے ہیں کہ برطانوی لیبر پارٹی کے نظریاتی رہنما سڈنی اور بیاٹرس ویب نے موقع پر جا کر گہری چھان بین کے بعد اپنی مشہور کتاب " سوویت کمیونزم " میں لکھا ہے۔

گاؤں کے سوویت کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:۔

" گاؤں کا سوویت ہدایت دیتا ہے معائنہ کرتا ہے۔ نگرانی کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام ذمہ داریاں پوری کی جائیں اور تمام قوانین پر عمل کیا جائے۔ اس کے علاوہ گاؤں کے سوویت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ علاقہ کے تجارتی اور صنعتی اداروں کے کاروبار پر بھی نظر رکھے۔ گاؤں کے اندر شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو جس کی تنظیم۔ دیکھ بھال اور اسے پبلک خرچ پر مہیا کرنے

کا اختیار سوویت کو نہ ہو۔ اور اس میں سڑکوں اور واٹر سپلائی سے لے کر کلب گھروں۔ ناچ گھروں۔ سکولوں۔ تھیٹروں اور ہسپتالوں تک ہر ایک چیز شامل ہے۔

" برطانوی ناظرین (جن میں ڈیموکریٹک سوشلسٹوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے) رُوس کے گھاس کے میدانوں اور سائبیریا کے جنگلوں کے مقامی اداروں کی ذمہ داریاں۔ یہ لمبی اور رنگا رنگ فہرست نہمل حد تک مبالغہ آمیز معلوم ہوگی۔ کیونکہ انہیں ہمارے تعلقوں اور گاؤں کی کونسلوں کے کام کی چھوٹی چھوٹی فہرستوں سے سابقہ پڑا ہے۔ اور ان کے اس شبے کو اور بھی تقویت ملیگی اگر انہیں یہ بتایا جائے کہ گاؤں کے اندر سوویت خود مختار ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے اسے کسی اعلےٰ اتھارٹی کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔"

مسٹر اور مسز ویب کہتے ہیں:۔" اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سوویت حکومت کسان سے ڈرتی ہو یا عوام کی جمہوریت کو شک کی نظروں سے دیکھتی ہو۔"

یہ مصنفین ہمیں بتاتے ہیں کہ گاؤں کا سوویٹ جو فیصلہ کرے۔ اُسے کوئی نوکرشاہی رد نہیں کر سکتی۔ یہ اختیار صرف اُوپر والے سوویتوں یا اسکے منتخب شدہ ایگزیکٹو کو ہی حاصل ہے۔"

وہ پھر کہتے ہیں۔" سوویت حکومت اسی سے مطمئن نہیں کہ گاؤں کا سوویت صرف ایسے ہی سوالوں سے تعلق رکھے جن کی اہمیت مقامی یا گاؤں کی حد تک ہے۔ تازہ ترین ہدائیتوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر گاؤں سوویت رے آن (کئی گاؤں اور شہروں کا گروہ) اور بلاسٹ (صوبہ) ریپبلک بلکہ ساری سوویٹ یونین کی اہمیت کے مسائل پر بحث اور غور کرے۔

ہندوستان میں صوبائی اسمبلیاں بھی یہ اختیار نہیں رکھتیں کہ ایسے سوالوں پر غور کر سکیں۔ جنہیں کُل ہند شعبوں کا نام دیا گیا ہے۔ مگر سوویت دیش کے گاؤں کی اسمبلی تک کو نہ صرف سارے ملک کے مسائل پر بحث کی اجازت ہی دی گئی ہے بلکہ اسے واضح طور پر یہ ہدائیت بھی دی گئی ہے کہ وہ ان پر بحث کریں اور اس بات کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔"

یہ ہے فرق سرمایہ دار ممالک کی جمہوریت میں اور اس جمہوریت میں جسے سوشلسٹ لیڈر

سوویٹ یونین کا "ڈکٹیٹرانہ کمیونزم" کہہ کر پکارتے ہیں۔

شری اشوک مہتہ۔ شری لوہیا اور شری جے پرکاش نارائن ہمیشہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ عوام پر اعتماد رکھتے ہیں مگر کمیونسٹ ایسا نہیں کرتے۔ عوام پر انہیں کتنا بھروسہ ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو جاتا ہے کہ وہ عوام کا نظم ونسق کے کام کے ساتھ لگاؤ پیدا کرنے سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ کیونکہ شاید ان کے خیال میں عوام اس سے زیادہ کسی بات کے مستحق نہیں ہیں۔ نظم ونسق کا کام نوکر شاہی چلائے گی۔ اور اسے پبلک سروس کمیشن مقرر کرے گا۔ جہانتک عوام کو حکومت کے نظم ونسق میں سرگرم کرنے کا تعلق ہے۔ خدا نہ کرے۔ ورنہ یہ ناسمجھ عوام تو ملک کو تباہ کر دینگے۔ افراتفری مچادیں گے اور سچ تو یہ ہے کہ انتظام تو ہنر مندوں کا کام ہے۔

مگر سوویٹ یونین کا معجزہ وہ معجزہ ہے جس نے ایک پسماندہ اور برباد ملک کو بیس سالوں میں دُنیا بھر کی بڑی بڑی صنعتی طاقتوں میں دُوسرے نمبر پہ پہنچا دیا جس نے ہر شعبے میں حیرت انگیز ترقی کی۔ اور جس نے دُنیا بھر کو حیران کر کے رکھ دیا۔ یہ معجزہ اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک سوویت جمہوریت کی صحیح نوعیت نہ سمجھ لی جائے یعنی حقیقی ٹھوس اور جاندار معنوں میں عوام کی حکومت۔

شری اشوک مہتہ نے اپنی کتاب "ڈیموکریٹک سوشلزم" میں یہ مان لیا ہے کہ "سوویٹ یونین اتنی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہے جتنی دُنیا بھر کی تاریخ میں کسی مُلک نے آج تک نہیں کی ہے" لیکن انہوں نے اس کی وجہ بتائی ہے سٹالن کی سفاکی۔ ایک سفاک ڈکٹیٹر شاہی عوام کو دبا تو سکتی ہے لیکن وہ اتنے پیچیدہ تخلیقی کام میں جو کہ اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنے مختصر عرصہ میں پورا کیا گیا ہو عوام کا تعاون حاصل نہیں کر سکتی۔ اس بات سے صرف وہی لوگ انکار کریں گے۔ جو بالکل اندھے ہو چکے ہیں اور جن میں سمجھ بوجھ کا شائبہ تک نہیں ہے۔

پچھلے دنوں ایک اور حیرت انگیز کرشمہ دیکھا گیا ہے یعنی ہمارے دیکھتے دیکھتے چین ایک کمزور اور بٹے ہوئے اور اقتصادی طور پر برباد ملک سے ایک عالمی طاقت بن گیا ہے۔ وہاں کے شوت خبری

جڑ سے اکھاڑ دی گئی ہے۔ عوام میں تخلیقی محنت کے لئے زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے یہ حیرت انگیز کرشمہ بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر ہم اپنے آپ کو "اچھی" اور "بری" حکومت کے روایتی فرق تک محدود رکھیں گے۔ چین کے مشترکہ پروگرام کی دفعہ بارہ میں حکومتی طاقت کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔

"چین کی عوامی جمہوریت کی حکومتی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے۔ ہر سطح کی عوامی کانگریس اور ہر سطح کی عوامی حکومت ایسے ادارے ہیں، جنکے ذریعہ عوام اپنے حکومتی اقتدار کو عمل میں لائیں گے۔"

جو لوگ بھی پچھلے دنوں چین گئے ہیں۔ ان میں شریمتی وجے لکشمی پنڈت اور آچاریہ نریندر دیو بھی تھے جن میں سے کسی کو بھی شری اشوک مہتہ کمیونسٹ یا کمیونسٹوں کا ہمدرد نہیں کہہ سکتے۔ ان تمام لوگوں کے جمہوریت کے بارے میں چاہے کچھ ہی خیالات ہوں۔ ان سب نے اس ایک بات کی گواہی دی ہے جس سے وہ سب متاثر ہوئے تھے اور وہ یہ ہے کہ عوام حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں۔ مسز پنڈت نے بہت اچھی طرح نقشہ کھینچا ہے کہ کس طرح بیس لاکھ لوگوں نے دریائے ہوائی کا بند لگانے میں حکومت کے ساتھ "اپنی رضامندی سے تعاون" کیا۔

کیا وجہ ہے کہ چین کے لوگ موجودہ حکومت کو اپنا سمجھتے ہیں؟

کیا یہ صرف "اچھی پالیسیوں"، "حُسنِ انتظام" اور غیر جانبدار عدالتوں کا ہی سوال ہے؟ نہیں۔ وہ عوامی جمہوری حکومت کو اس لئے اپنی حکومت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود اُس حکومت کو چلاتے ہیں۔ حکومت اور عوام کے درمیان وہ فرق مٹ رہا ہے جو نام نہاد "سوشلسٹ" طرز کے ملکوں کی نام نہاد "مکمل جمہوریت" کا طرہ امتیاز ہے۔

خود عوام ہی حکومت بن رہے ہیں اور ان عوام میں مزدور کسان متوسط طبقہ اور قومی سرمایہ دار سب شامل ہیں۔ یہ حکومت سامراجیوں۔ جاگیرداروں اور ان کے پٹھوؤں کے خلاف جدو جہد کی حکومت ہے یہ وہ حکومت ہے۔ جس نے قومی اتحاد قائم کیا ہے اور قوم کو نئی زندگی دی ہے۔

جمہوریت کا بنیادی اور فیصلہ کن سوال یہ نہیں ہے کہ ووٹ کو ان دیا

ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ سٹیٹ (ریاست) کا اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے ہی چین کے مشترکہ پروگرام سے اقتباس کر چکے ہیں۔

"عوامی کانگریس کی تمام سطحیں اور عوامی حکومت کی تمام سطحیں ہی وہ ادارے ہیں جن کے ذریعے عوام سٹیٹ (ریاست) کے اقتدار کو استعمال کریں گے۔"

آگے چل کر مشترکہ پروگرام کی دفعہ ۱۹ میں کہا گیا ہے :-

"کونسل اور میونسپل سطح کی عوامی حکومت میں اور اس سے اوپر عوامی نگرانی کے ایسے ادارے قائم کئے جائیں گے۔ جو مختلف سطحوں پر سٹیٹ (ریاست) کے اداروں اور پبلک کارندوں کے کام پر نگرانی رکھیں گے اور ان اداروں اور کارندوں کو فہمائش کریں گے۔ جو قانون کی خلاف ورزی کریں یا اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کوتاہی کریں۔"

مختلف سطحوں پر عوام کے حقوق اور ذمہ داریاں صرف اتنے میں ہی ختم نہیں ہو جاتیں کہ وہ ایگزیکٹو بنائیں۔ ان کا کام صرف "مشورہ دینا" ہی نہیں۔ گاؤں سے لیکر اوپر تک اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے ذریعے وہ اس ایگزیکٹو کے کام کی نگرانی کرتے ہیں جسے انھوں نے خود بنایا ہے اور ان اداروں اور کارندوں کو فہمائش کرتے ہیں جو قانون کی خلاف ورزی کریں۔ بلکہ ان کو بھی جو اپنی ذمہ داریاں نہ نبھائیں۔

ذرا ہندوستان کا کوئی ڈسٹرکٹ بورڈ جو "اچھا خاصہ جمہوری" ہوتا ہے یا اس کے متوازی برطانیہ کا کوئی ادارہ جو "پورے طور پر جمہوری" ہوتا ہے۔ کسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے کام کی نگرانی تو کر دیکھے یا صرف اسے اتنی صلاح ہی دے دیکھے کہ وہ سیکشن ۱۴۴ کا نفاذ نہ کرے۔ گاؤں کی پنچائیت گاؤں میں حکومتی طاقت استعمال کرنے کی جرأت تو کرے۔ بلکہ گاؤں کے پولیس کے سپاہی کو اتنا ہی کہہ دیکھے کہ اسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں۔ اگر جمہوری طریقہ سے منتخب شدہ ان اداروں کے ممبروں کو حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں دھر لیا نہ جائے تو یہ

ان کی بہت خوش قسمتی ہوگی ۔ یہ ہے فرق رسمی جمہوریت اور سچی جمہوریت میں!

لیکن جمہوری سوشلسٹ کہیگا کہ ان تمام ملکوں میں ایک پارٹی کی ڈکٹیٹرشاہی ہے اس لئے گاؤں سے لے کر اوپر تک تمام منتخب شدہ اداروں کے حقوق چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں اور ان کے اختیارات چاہے کتنے وسیع ہوں ۔ انہیں جمہوری نہیں کہا جا سکتا ۔

اوّل تو یہ بات درست نہیں ہے ۔ صرف چین کی مثال ہی لیجئے ۔ وہاں کئی پارٹیاں ہیں جو ملک کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے کام میں اشتراک کر رہی ہیں ۔ آچاریہ نریندر دیو نک نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ چین میں کمیونسٹوں کی ڈکٹیٹرشاہی ہے ۔

لیکن یہ ٹھیک ہے کہ عوامی جمہوریتوں میں ان پارٹیوں کو کوئی آزادی نہیں دیجاتی جو "حکومت کی مخالفت" کرتی ہیں ۔ وہاں کی سٹیٹ (ریاست) کے اقتدار کی نوعیت ہی یہ بتائے دیتی ہے کہ ایسا ہونا کیوں لازمی ہے ۔ وہاں کی حکومت کوئی ایسی طاقت نہیں جو عوام سے "آزاد" ہو ۔ ان سے الگ ہو یا ان کے مخالف ہو ۔ ملک کے مالک جاگیردار ۔ چور بازاری کرنے والے یا اجارہ دار نہیں ہیں بلکہ وہاں کے عوام ہیں ۔ وہاں کے عام لوگ ہیں ۔ ان ملکوں میں صرف وہی پارٹی حکومت کی مخالفت کر سکتی ہے جو پرانے نظام کو واپس لانا چاہے جو جاگیرداروں ۔ سامراجیوں اور ان کے پٹھوؤں کی حکومت وہاں دوبارہ قائم کرنا چاہے ۔ جو عوام کی طاقت ختم کر کے نوکرشاہی کے خاص حقوق اسے واپس دینا چاہے ۔ ایسی پارٹیوں کو کوئی آزادی نہیں دی جا سکتی ۔

جہاں تک سوویٹ یونین کا تعلق ہے ۔ وہاں تمام طبقاتی مخالفت مٹائی جا چکی ہے اور سب سے اعلیٰ قسم کی جمہوریت قائم کی جا چکی ہے جس کی دنیا میں اور کہیں مثال نہیں ملتی ۔

سٹالن نے اس بات کا جواب دیا ہے کہ وہاں کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ کیوں اور کوئی بھی پارٹی نہیں ہے ۔

"جہاں تک مختلف سیاسی پارٹیوں کی آزادی کا تعلق ہے ۔ اس بارے میں ہمارے خیالات

ذرا مختلف ہیں۔ پارٹی کسی ایک طبقہ کا حصّہ ہوتی ہے۔ اس کا سب سے آگے بڑھا ہُوا حصّہ ہوتی ہے۔ کئی سیاسی پارٹیاں اور نتیجتاً کئی سیاسی پارٹیوں کے لئے آزادی صرف ایسے سماج میں ہی ہو سکتی ہے۔ جہاں ایسے مخالف طبقے موجود ہوں۔ جن کے مفاد آپس میں ٹکراتے ہوں۔ اور جن میں کوئی مصالحت ممکن نہ ہو۔ مثلاً جس میں سرمایہ دار اور مزدور۔ جاگیردار اور کسان دھنی کسان اور غریب کسان وغیرہ پائے جاتے ہوں۔ لیکن سوویٹ یونین میں سرمایہ دار۔ جاگیردار دھنی کسان جیسے طبقے نہیں ہیں۔ سوویت یونین میں صرف دو طبقے ہیں۔ یعنی مزدور اور کسان اور ان کے مفاد آپس میں ٹکراتے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس دوستانہ ہیں۔ اس لئے سوویٹ یونین میں مختلف پارٹیوں کے وجود اور نتیجتاً ان کی آزادی کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ سوویت یونین میں صرف ایک ہی پارٹی رہ سکتی ہے اور وہ ہے کمیونسٹ پارٹی۔ جو آخری دم تک دلیری کے ساتھ مزدوروں اور کسانوں کے مفادات کی حفاظت کرتی ہے اور اس میں شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ وہ ان طبقوں کے مفادات کی حفاظت کچھ ایسی بُری طرح نہیں کرتی ہے،،

(سٹالن:۔ لینن اِزم کے مسائل"۔

سٹالن کی بات کا مطلب صرف وہی لوگ نہ سمجھ سکیں گے۔ جن کیلئے طبقاتی جدّ جہد ایک بے معنی لفظ ہے۔ جن کے خیال میں طبقات کا کوئی وجود نہیں اور جو پارٹیوں کو طبقاتی جد و جہد کا ہتھیار نہیں سمجھتے۔ بلکہ کچھ مجرد تصوّرات کا مجسمہ شمار کرتے ہیں

۱۹۳۶ء میں نیشنل کانگرس کے لکھنؤ کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے خطبۂ صدارت میں روس کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا تھا:۔

روس کے بارے میں مسٹر اور مسز ویب کی عظیم اور یادگار تصنیف سے یہ دلچسپ بات معلوم ہوتی ہے کہ سارا سوویٹ ڈھانچہ ایک وسیع اور جاندار جمہوری بنیاد پر قائم ہے روس کو مغربی نمونے کی جمہوریت نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں کے عوام میں

جمہوریت کی تمام بنیادی باتیں اس حد تک موجود ہیں جس حد تک کسی بھی اور ملک میں نہیں ہیں۔ وہاں کے چھ لاکھ شہروں اور گاؤں میں ایک وسیع جمہوری تنظیم موجود ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا سوویت ہے۔ جو ہر وقت بحث مباحثہ میں حصہ لیتا ہے۔ نکتہ چینی کرتا ہے پالیسیاں مرتب کرنے میں امداد دیتا ہے اور اوپر کی کمیٹیوں کے نئے نمایندے منتخب کرتا ہے۔ شہریوں کی اس تنظیم میں اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کی تمام آبادی آجاتی ہے۔ پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے عوام کی ایک اور وسیع تنظیم ہے اور بطور خریداروں کے اتنی ہی وسیع ایک تیسری تنظیم ہے۔ اس طرح کروڑوں کی تعداد میں عورتیں اور مرد عام لوگوں کے مسائل کی بحث اور سارے ملک کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے ہیں۔"

دُنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی کہ جمہوری طریقہ پر اس طرح عملدرآمد ہُوا ہو۔

بابِ پنجم

کیا ہند ایک طبقاتی ریاست ہے

سوشلسٹ جمہوریت سے کیا مطلب لیتے ہیں۔ اس کا ہم نے مفصل جائزہ لیا ہے۔ جمہوریت کے بارے میں اُن کے تصوّر کا اس رویے کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے جو انہوں نے بورژوہ سٹیٹ کی طرف عام طور پر اور ہندوستانی سٹیٹ کے بارے میں خصوصاً اختیار کیا ہے۔

وہ سٹیٹ کو ملک کے ساتھ ایک سطح پر رکھتے ہیں اور پھر اعلان کر دیتے ہیں کہ سٹیٹ کے ساتھ وفاداری ان کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک ہے۔ مارکس اور لینن کی بنیادی تعلیم اور تواریخ کے سبق کو رد کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ سٹیٹ جماعتی جنگ کا ایک ہتھیار نہیں ہے۔ اپنے مخالف طبقوں کو دبانے کے لئے یہ ایک مخصوص طبقے یا مخصوص طبقوں کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں ہے۔ وہ سوویت یونین اور عوامی چین میں "جمہوریت کی عدم موجودگی" پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان ممالک کے مقابلہ میں ہندوستانی سٹیٹ بھی "اچھی خاصی جمہوری" ہے۔

ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اس "اچھی خاصی جمہوری سٹیٹ" میں پولیس۔ نوکر شاہی اور فوج کو کیا اختیارات حاصل ہیں۔ اور وہ ان کو کس طرح استعمال کرتے ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حکومت اس پولیس۔ نوکر شاہی اور فوج کو قائم رکھنے پر ایک بہت بڑی رقم صرف کرتی ہے۔ یہ تمام طاقتیں اصل میں کس کے مفاد میں استعمال کی جا رہی ہیں؟

جیسا کہ سب کو علم ہے۔ ہند کے آئین میں صرف ایک ایسا حق ہے۔ جسے کوئی چھین نہیں سکتا اور جو مطلق ہے۔ اور وہ ہے جائداد کا حق۔ کسی قسم کی بھی جائداد۔ خواہ وہ کسی ہندوستانی کی ملکیت ہو یا کسی غیر ملکی کی۔ سٹیٹ بلا معاوضہ اپنے قبضہ میں نہیں لے سکتی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ حکومت نے اپنے لگاتار اعلانوں میں واضح کر دیا ہے کہ مستقبل قریب میں غیر ملکی سرمایہ ضبط نہیں کیا جائے گا۔ اس کے خلاف کوئی امتیازی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اور غیر ملکی سرمایہ داروں کو یہ اجازت ہو گی۔ کہ وہ ہمیشہ کی طرح اپنا منافع بدیشوں کو بھیج سکیں۔ برطانوی سرمایہ پہلے کی طرح ہمارے ملک کی معیشت پر چھایا ہوا ہے۔ اور امریکی سرمایہ تیزی کے ساتھ گھستا چلا آ رہا ہے۔ گذشتہ برس بدیشی اداروں نے ہند میں ۸۳ کروڑ کا منافع کمایا۔ اس میں سے ۳۱ کروڑ انہوں نے بدیشوں کو بھیج دیا۔

یہ سٹیٹ جو بدیشی سرمایہ داروں کو ملک پر چھائے رہنے اور عوام کو لوٹنے کا اس

بے شرمی سے موقعہ دیتی ہے ۔ کیا وہ طبقاتی سٹیٹ نہیں ہے ۔ کیا وہ ایک ایسی سٹیٹ نہیں ہے جو بدیشی مخصوص مفاد کی حفاظت کرتی ہے؟

شری اشوک مہتہ کے اپنے اندازے کے مطابق ہند میں صرف دو لاکھ اشخاص جو کل آبادی کا ایک ہزار سات سو چھپا سواں حصہ بنتے ہیں ۔ ہر برس پانچ ارب روپیہ ۔ جو ہند کی قومی آمدن کا سولھواں حصہ بنتا ہے لے جاتے ہیں ۔ ان میں بہت امیر رجواڑے ہیں ۔ بہت بڑے بڑے جاگیردار اور کروڑپتی اجارہ دار ہیں ۔ جن میں سے صرف بیس ایسے ہیں جو کہ کاروباری اداروں میں ڈائرکٹروں کے ۸۰۰ عہدوں پر قابض ہیں ۔

ایک ایسی سٹیٹ جس کا بنیادی آئین اس صورتِ حال کو قائم رکھنے کے لئے تیار کیا گیا ہے ۔ ایک ایسی سٹیٹ جو ہر اس موقع پر اپنی پوری طاقت سے دخل دیتی ہے ۔ جب جائدادوں کے حقوق خطرے میں پڑتے ہیں ۔ کیا ایسی سٹیٹ طبقاتی سٹیٹ نہیں ! کیا وہ ایک ایسی سٹیٹ نہیں جو جاگیرداروں اور اجارہ داروں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے !
آج سب کو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ جب تک جاگیرداری فوری طور پر ختم نہیں کی جاتی اور زمین بلا معاوضہ کسانوں اور زرعی مزدوروں میں نہیں بانٹ دی جاتی ۔ اس وقت تک قومی فاقہ کشی کو روکا نہیں جا سکتا ۔ ایک ایسی سٹیٹ ۔ جس کا آئین ہی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا ۔ کیا وہ سٹیٹ ایک طبقاتی سٹیٹ نہیں ہے !

سوشلسٹ لیڈر کہتے ہیں کہ سٹیٹ کے بارے میں مارکسی نظریے "فرسودہ" ہو گئے ہیں ۔ سٹیٹ "مثبت" یا "منفی" ہوتی ہے ۔ (شری اشوک مہتہ) یا "جمہوری" اور "ڈکٹیٹرانہ" ہوتی ہیں ۔ ایک طرف بورژوا اور سامراجی سٹیٹیں اور دوسری طرف پرولتاری اور عوامی سٹیٹوں جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی ۔ ایک تو وہ کبھی یہ بنیادی سوال نہیں پوچھتے کہ بورژوا ممالک اور ہند میں سٹیٹ کون سے اداروں ۔ کون سے سسٹم اور کون سے حقوق اور مفاد کی حفاظت کرنا اپنا سب سے اہم کام خیال کرتی ہے ۔ طاقت کے ذرائع ۔ پولیس

نوکرشاہی اور فوج ماضی میں اور آزادی کے گذشتہ پانچ برس کے عرصہ میں کس کے مفاد میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے یہ سوال پوچھا ہوتا۔ اگر انھوں نے یہ جاننے کی کوشش کی ہوتی کہ تلنگانہ۔ آندھرا اور مالابار۔ کلکتہ اور کوچ بہار۔ اور تمری پودہ اور بلیا میں کیا ہوا تو اُن کو پتہ چل جاتا کہ ہند میں سٹیٹ کی طاقت کا کردار طبقاتی ہے یا نہیں۔

وہ ہمیشہ سٹیٹ کے بارے میں مارکسی نظریوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ مارکس کے اس مشہور مقولہ (تھیسس) کا بھی مذاق اڑاتے ہیں کہ جابر طبقوں کی سٹیٹ کی (ریاستی) مشینری کو توڑنا لازمی ہے۔ اُن کے خیال میں موجودہ سٹیٹ کی مشینری کو توڑنے کا مطلب ملک کو توڑنا ہے۔ سارے سماج کو توڑ پھوڑ دینا ہے۔

یہ بات کبھی اُن کے ذہن میں نہیں آئی کہ ہمارے لئے مکمل آزادی حاصل کرنے اور مکمل جمہوریت قائم کرنے کا مطلب برطانوی سرمایہ کی ضبطی۔ زمین ہل جوتنے والوں کے حوالے کرنا اور سٹیٹ کے اقتدار کو عوام کے چنے ہوئے اداروں کے حوالے کرنا ہے۔ اس کا مطلب ملک کو توڑنا پھوڑنا نہیں۔ اس کے برعکس یہ تو ملک کے لئے حیاتِ نو کے حالات پیدا کرتا ہے۔ اس کا مطلب افراتفری اور گڑبڑ نہیں۔ اس کے برعکس حقیقی امن قائم کرنا ہے۔ نہ کہ ایک ایسا نقلی امن جو ساری قوم کی لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہو اور جو لاٹھی اور سنگین کی امداد سے قائم کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب قومی معشیت کو توڑنا پھوڑنا نہیں اس کے برعکس اس کا مطلب عوام کو اُن کے چنے ہوئے اداروں کے ذریعے ایک ایسی سٹیٹ قائم کرنے میں شامل کرنا ہے جو سامراجی اور جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ سے پاک ہو۔ جو چور بازاری اور بے ایمانی سے پاک ہو۔ اس کا مطلب ملک کے دفاع کو کمزور کرنا نہیں۔ اس کے برعکس اس کا مطلب ایک حقیقی عوامی فوج قائم کر کے ملک کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے اور مضبوط صنعتیں قائم کرنا ہے جس کے بغیر ملک کی اصلی طاقت کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔

باب ششم

سوشلزم اور "عملی آدرش واد"!

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جمہوریت سے سوشلسٹ لیڈروں کا کیا مطلب ہے سوشلزم سے وہ کیا سمجھتے ہیں۔

اس سوال کے بارے میں سوشلسٹ لیڈر کبھی بہت واضح نہیں ہوتے۔ مگر سوویٹ یونین کی طرف اور لیبر حکومت کے تحت برطانیہ کے بارے میں اُن کے رویہ سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ سوشلزم کا کیا مطلب لیتے ہیں۔

سوویت یونین کے بارے میں ہم اُن کا رویہ جانتے ہیں۔ لیبر حکومت کے ماتحت برطانیہ کے بارے میں اُن کا کیا رویہ تھا؟ ہم خارجہ پالیسی کے بارے میں شری لوہیا کی رپورٹ سے اقتباسات پیش کریں گے۔

"یورپی سوشلزم نے ایک انتہائی عملی آدرش واد حاصل کر لیا ہے۔ جن ملکوں میں بھی وہ برسرِ اقتدار آیا ہے (لوہیا برطانیہ کو اس زمرے میں شامل کرتے ہیں) اس کی سب سے بڑی فکر عوام کے معیارِ زندگی اور سماجی تحفظ کے بارے میں رہی ہے"۔ . . . "وہ اپنے لوگوں کو اچھی خوراک دے رہے ہیں۔ انہیں دودھ اور پھل مہیا کر رہے ہیں۔ اور ہر ایک صحت اور رہائش بہتر بنا رہے ہیں۔"

شری جے پرکاش نارائن نے مدراس کانفرنس میں اپنی رپورٹ کے اندر اٹیلی کی حکومت کو "سوشلسٹ حکومت" کہا تھا۔ اور شری اشوک مہتہ نے (جو شاید شری لوہیا کی نسبت

زیادہ اچھی طرح جانتے تھے کہ برطانیہ میں کیا ہو رہا تھا) نہ صرف اٹیلی سرکار کو شاندار خراجِ تحسین ہی ادا کیا بلکہ برطانوی عوام پر لگاتار بڑھتے ہوئے بوجھ لادنے کی معاشی پالیسی کے گُن گائے

"اس بات سے ہمیشہ سر سٹیفورڈ کرپس کی شان بڑھے گی کہ انھوں نے کبھی بھی برطانوی عوام کو یہ بتلانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ انہیں سخت زندگی برداشت کرنی ہوگی اور مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ ہونا پڑے گا۔ اور یہ بات برطانوی عوام کے لئے قابلِ فخر ہے کہ انھوں نے اس سخت زندگی کو قبول کیا۔ اور جمہوری طریقے سے مشکلات کو برداشت کیا"

(جمہوری سوشلزم)

حقیقت یہ ہے کہ امریکی سامراجیوں کے حکم پر ہتھیار بندی کی پالیسی پر عمل کرنے کے لئے اور ملایا اور دیگر ممالک میں سامراجی جنگوں کا خرچ چلانے کے لئے برطانوی عوام کو بھوکوں مارا گیا۔

اس بات سے ہمیشہ سر سٹیفورڈ کرپس کی شان بڑھے گی کہ انھوں نے اس پالیسی پر عمل کیا اور اس طرح ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں چرچل کی جیت کے لئے زمین تیار کر دی۔ اور اس بات سے ہمیشہ شری اشوک مہتہ اور ان کے دوستوں کی شان بڑھے گی کہ وہ ایک ایسی پارٹی کو سوشلزم کی معیاری پارٹی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ برطانیہ کی لیبر سرکار کمال ڈھٹائی سے امریکی سامراج کی غلامی اور غلام ممالک — ملایا۔ مصر وغیرہ — کے عوام کو دبانے کی پالیسی پر چل رہی تھی اور خود برطانیہ کے اندر اس کا ریکارڈ کیسا رہا؟ کس حد تک اس نے صنعتوں کو قومی ملکیت بنانے کے بارے میں اپنے وعدے پورے کئے؟ کس حد تک عام لوگوں کو پہلے کی نسبت قومی آمدنی میں زیادہ حصّہ ملا؟ ان سوالات کے جواب بہت اہمیّت رکھتے ہیں۔ ان سے پتہ چلے گا کہ سوشلزم سے سوشلسٹ لیڈروں کا کیا مطلب ہے؟ برطانوی لیبر پارٹی کی صنعتوں کو قومی بنانے کی پالیسی۔ جس کا بہت ڈھنڈورا پیٹا گیا۔

ایک موجودہ سرمایہ دارانہ سٹیٹ (ریاست) کے ذریعے بھاری معاوضہ ادا کر کے چند حقوق کو حاصل کرنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ایسے "سوشلزم" پہ کئی بورژوا سٹیٹ (ریاستیں) ایسے لوگوں کے ماتحت عمل کرتی رہی ہیں جنہوں نے سوشلزم کے بارے میں کبھی کوئی دعوے نہیں کیا۔ ایسے سوشلزم پر تو ہندمیں صوبائی حکومتوں اور میونسپل کمیٹیوں نے بھی عمل کیا ہے۔ ایسے سوشلزم پر تو بسمارک بھی عمل کرتا رہا ہے۔ اگر سوشلزم اسی پر مشتمل ہوتا تو جیسا کہ اینگلز نے کہا ہے۔ "میٹرنخ اور نپولین سوشلزم کے بانیوں میں شمار ہوتے۔

اس کے علاوہ لیبر لیڈروں کے اپنے دعووں کے مطابق چھ سال کی لیبر حکومت کے بعد یہ "سوشلزم" بھی قومی معیشت کے پانچویں حصے تک ہی محدود تھا۔ اور مزدوروں کی تعداد کے لحاظ سے "قومی ملکیت بنائی گئی صنعتوں" میں کام کرنے والے مزدوروں کی کل تعداد ۲۵ لاکھ تھی۔ جبکہ سارے ملک میں صنعتوں میں کام کرنے والے لوگوں کی کل تعداد ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ تھی۔ "قومی بنائی گئی" صنعتیں کوئلہ۔ ٹرانسپورٹ۔ گیس اور بجلی تھیں۔ "منافع کمانے والی صنعتوں کے سارے سلسلہ کو چھُوا تک نہیں گیا۔" (لیبر منتھلی اکتوبر ۱۹۵۱ء) یہ تھا صنعتوں کو قومی بنانے کا کام جو چھ برس کے عرصہ میں کیا گیا۔ اور یہ تھی اس کی وسعت۔ اور برطانیہ میں، سوشلزم کے چھ برس کا عام لوگوں پر کیا اثر ہُوا؟ اس کا سرمایہ داروں پر کیا اثر پڑا؟

شری اشوک مہتہ نے سرسٹیفورڈ کرپس کی عوام کو "سخت زندگی چُننے اور مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ ہونے" کی اپیل کرنے پر تعریف کی ہے۔ مگر انہوں نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ کن لوگوں پہ اور کن کن طبقوں پر بوجھ ڈالا گیا۔ اس سوال کا جواب لیبر پارٹی کے لیڈروں نے خود دیا ہے۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں شائع کئے گئے ایک پمفلٹ میں لیبر سرکار کے وزیر جنگ مسٹر سٹریچی

نے لکھا تھا :-

" جیسا کہ ہم سب بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ضروریات زندگی کا خرچ بڑھ رہا ہے مگر صرف ضروریات زندگی کا خرچ ہی نہیں بڑھ رہا۔ بلکہ ناگزیر طور پر منافع بھی بڑھ رہے ہیں اور یقیناً بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ (لفظوں پر زور میں نے دیا ہے)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مسٹر سٹریچی نے اپنے پمفلٹ کا نام " منصفانہ سماج " رکھا ہے۔ " ضروریات زندگی کا خرچ بڑھ رہا ہے ...... یقیناً منافع بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔" لیبر وزیر کے اس کھلے اعتراف کا مقابلہ شری لوہیا کی لفظی تصویر سے کیجئے۔ " جہاں کہیں بھی یہ اقتدار حاصل کرتی ہے۔ اس کی خاص کوشش یہی ہوتی ہے کہ عوام کا معیار زندگی اونچا ہو۔" اور " برطانیہ میں آمدنی میں تفریق کم ہو رہی ہے اور اس طرح سماجی حرکت بہتر بنتی رہی ہے۔" (اشوک مہتہ - جمہوری سوشلزم میں)

چار برس کی لیبر حکومت کے بعد برطانیہ میں قومی آمدن کس ڈھب سے تقسیم ہو رہی تھی؟ لیبر ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے اکٹھے کئے گئے مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس کا جواب دیتے ہیں (۱۹۵۰ء کے بعد کے اعداد و شمار کا تجزیہ نہیں کیا گیا)

ٹیکس کی ادائیگی کے بعد آمدن کی تقسیم

	۱۹۴۴	۱۹۵۰
فوج کی اُجرتیں اور تنخواہیں :-	۴۷	۴۳
کرایہ - سود اور منافع :-	۳۲	۳۵

(لیبر منتھلی - اکتوبر ۱۹۵۱ء)

یہ اعداد اپنی کہانی خود بتاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ ۱۹۴۶ء میں

برطانیہ میں ایک ٹوری سرکار تھی۔ جس کی قیادت مسٹر چرچل کے ہاتھ میں تھی۔ اس نقشے سے یہ تبدیلی ظاہر ہوتی ہے جو لیبر سرکار نے پیدا کی۔

یہ نقشہ اعداد و شمار کے ذریعے لیبر سرکار کا کردار بیان کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ لیبر پارٹی کن لوگوں کا مفاد محفوظ کرتی تھی۔ وہ کن لوگوں کی خادم تھی۔

اور یہ وہ پارٹی ہے جس کی تعریفیں کرتے سوشلسٹ لیڈر نہیں تھکتے۔ یہ وہ سوشلزم ہے جس کو وہ اصلی سوشلزم اور عملی آدرش واد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ سوشلزم ہے جس کی مدح سرائی سوشلسٹ پارٹی آف انڈیا کی شایع کردہ "لیبر گورنمنٹوں کا کام" میں کی گئی۔

"ان حکومتوں کے وجود اور ان کی کارگذاری (برطانیہ۔ آسٹریلیا۔ سویڈن وغیرہ میں) نے یہ بات دکھا دی ہے کہ ترقی یافتہ قوموں کے لئے جمہوری سوشلزم کے نظام کی طرف چلنے والے راستہ پر چلنا ممکن ہے۔"

اس سے زیادہ واضح بات ممکن نہیں، جمہوری سوشلزم وہی چیز ہے جو کہ برطانوی لیبر پارٹی کا سوشلزم ہے۔

باب ہفتم

جمہوری سوشلزم کے اقتصادی مقاصد

آزاد ہندوستان کی اقتصادیات کس ڈھنگ کی ہونی چاہیئے؟ کیا اُسے وہی ہونا چاہیئے جو وہ ۱۹۴۷ء میں تھی یا جیسا کہ آج ہے۔ یعنی کیا ہندوستان کو پچھڑا ہوا زرعی

دیش رہنا چاہیئے یا اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ایک ترقی یافتہ زرعی اور صنعتی ملک بن جائے؟ کیا یہ بعد کا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

انگریز جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں یہ کہتا تھا کہ ہندوستان یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ ہندوستان زیادہ تر زرعی ملک ہے اور اسے زرعی ملک رہنا چاہیئے۔ اور انگریزوں نے ہر طریقے سے ملک کی صنعتی ترقی کا گلا گھونٹنا چاہا۔ خاص طور پر اُس نے بھاری مشینری کی ترقی اور بھاری مشینری بنانے والی صنعتوں کو پنپنے نہ دیا۔ حتّٰی کہ دوسری جنگِ عظیم میں بھی انگریز کی یہ پالیسی جاری رہی۔

انگریزوں کا مقصد کیا تھا صاف ظاہر ہے۔ وہ ہندوستان کو ایک نو آبادی اور اپنے مال کے لئے منڈی اور ہندوستان کو خام مواد حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے رکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ یہاں سرمایہ لگائیں۔ ہندوستان میں کافی صنعت بندی کے بغیر سستی مزدوری سے فائدہ اُٹھا کر زائد منافع سے جیبیں بھریں۔ ریزرو بنک آف انڈیا کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں جو تین ارب ۲۰ کروڑ اور ۴۲ لاکھ روپے کا سرمایہ لگایا ہوا ہے اس میں سے صرف ۸۰ کروڑ روپوں کا سرمایہ کارخانوں اور کان کنی کی صنعتوں میں لگایا گیا ہے۔

ہمارے دیش کیلئے اس پالیسی کا کیا مطلب رہا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے، ہندوستان کے جمہوری عوام نے ہمیشہ اس پالیسی کی مخالفت کی جس سے انگریز اس دیش کو پچھڑا ہوا اور اپنا دست نگر رکھنا چاہتا تھا۔ پنڈت نہرو جو قومی پلیننگ کمیٹی کے صدر تھے انہوں نے خود قومی پلیننگ کمیٹی کے نام ایک نوٹ ۱۹۳۹ء میں بھیجا تھا۔ جس میں لکھا تھا:۔

" اقتصادی طور پر ہندوستان کا نیا جنم اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے صنعتی نہ بنایا جائے۔ اس لئے ہمیں دیش کو صنعتی بنانے کی طرف تیزی سے قدم

اُٹھانا چاہیئے اور ہمیں بتانا چاہیئے کہ کہاں اور کس طرح بنیادی صنعتیں شروع کی جا سکتی ہیں۔

اسی قسم کا خیال شری سبھاش بوس نے اگست ۱۹۳۸ء کو ظاہر کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا۔ "نئے سرے سے قومی تعمیر سائنس کی مدد ہی سے ممکن ہے۔۔۔ ہندوستان ابھی تک صنعتی دور سے قبل کے زمانہ میں ہے۔"

۱۹۳۸ء میں کانگریس کے صوبائی وزراء صنعت کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا تھا اور وہ ریزولیوشن یہ تھا۔ "وزراء صنعت کی کانفرنس کا خیال ہے کہ بے کاری اور مفلسی کا مسئلہ اور قومی ڈیفینس اور اقتصادی نئی زندگی کا سوال ملک کو صنعتی بنائے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔"

قومی جدوجہد میں شامل ہونے والے تمام حصوں کا یہی خیال تھا۔ سوائے مہاتما گاندھی کے نظریہ پیروکاروں کے جو ملک کے صنعتی بنائے جانے کو ایک بُرائی خیال کرتے تھے۔ سوشلسٹ پارٹی ابتدا ہی سے حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء تک اس خیال سے چمٹی رہی ہے کہ ہندوستان کی ترقی کے لئے بڑے پیمانے پر صنعتوں کا جاری کیا جانا ضروری ہے۔ "پیداوار میں کئی گنا اضافہ ضروری ہے۔" سوشلسٹ پارٹی کی پالیسی کے بیان میں ۱۹۴۷ء میں کہا گیا تھا۔ "لیکن پیداوار اُس وقت تک نہیں بڑھ سکتی جب تک سائنس اور ٹیکنیکل وسیلے سے انسانی محنت کو زیادہ پیدا کرنے کے قابل نہیں بنایا جاتا۔ اور سوشلسٹ نظام میں مقصد یہی نہیں کہ انسانی محنت کی پیداوار کو بڑھایا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ محنت کو کم تکلیف دہ اور کم تھکا دینے والا بنایا جائے۔ مزدوروں کو آرام، تفریح اور مسرت حاصل کرنے کا زیادہ وقت ملے۔ لہذا محنت کو زیادہ پیداوار کے قابل اور کم تکلیف دہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سائنس اور ٹیکنیکل وسیلوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جائے۔"

اس بات کا اعلان بھی کیا گیا تھا کہ سوشلسٹ سماج کا مقصد یہ بھی ہے کہ زندگی کا معیار کلچری اور مادی طور پر زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے۔

سوشلسٹ پارٹی سے کسی کو چاہے کوئی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن جو خیال اُوپر ظاہر کیا گیا ہے اُس سے ہر کوئی اتفاق کرے گا۔ یعنی کہ پیداوار کو بڑھانے کیلئے سائینس اور ٹیکنیکل وسیلوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ اور اس طرح ہندوستان کو پچھڑا ہُوا ملک نہ رہنے دیا جائے۔ لوگوں کی غریبی دُور کی جائے اور ہندوستان کو صحیح معنوں میں آزاد بنایا جائے۔

لیکن سوشلسٹ پارٹی کے تمام ممبر جانتے ہیں کہ اس مقصد کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ آج شری لوہیا کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہے اور سوشلسٹ پارٹی کو دوبارہ اپنے اقتصادی مقصد پر "نظر ثانی" کرنی چاہئے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کمیونزم کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ یہ پیداوار کی تکنیک سرمایہ داری سے ورثے میں حاصل کرتا ہے اور صرف سرمایہ وارانہ پیداواری رشتوں کو توڑنا چاہتا ہے۔ آپ نے یہ دریافت کیا ہے کہ کمیونزم اور سرمایہ داری دو بُرائیاں ہیں۔ اور یہ دونوں موجودہ تمدّن کی برائیوں کی محض دو شکلیں ہیں۔ جن کی بنیاد ٹکنیکل ترقی پر ہے۔ یورپ اور امریکہ کو اصل میں توازن اور نرم رفتاری کی زندگی درکار ہے اور موجودہ دُنیا کی ٹریجڈی (المیہ) یہی ہے کہ انسان کو دلجمعی اور اطمینان قلب حاصل نہیں ہے اور پھر آپ خبردار کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کو صنعتی بنانے کی بڑے پیمانے پر کوشش کی گئی تو یہ نہ صرف اقتصادی طور پر گمراہ کن اور تباہ کن ہوگا" بلکہ جس دم کمیونزم ہندوستانی زراعت کا سدھار شروع کر دے گا۔ اس وقت گیتا اور دوسرے فلسفے جن کا راگ ہندوستان نے گایا ہے دم توڑ دیں گے۔"

ان وجوہات کی بنا پر اور کثیر آبادی اور گھٹیا قسم کے ٹیکنیکل معیار کی بدولت ہندوستان چین اور دوسرے پچھڑے ہوئے دیسوں کو جو دُنیا کی کل آبادی کا دو تہائی ہیں۔

پرانی قسم کی زراعت اور بجلی یا موٹر کے ذریعے چلنے والی چھوٹی مشین کے سوا کسی اور منزل کو سامنے نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور یہی اُن کی اقتصادیات کا عام نمونہ ہونا چاہیئے۔ (پنچ مڑھی کا ایڈریس)

مشری اشوک مہتہ بھی یہی بات کہتے ہیں لیکن ذرا کم جوشیلے الفاظ میں۔

" ہندوستان کی ترقی کا بھید تعاون، چھوٹے اوزاروں اور پرخلوص محنت میں چھپا ہوا ہے۔ جس کا مطالبہ ہے کہ پنچایت راج میں ترقی یافتہ چھوٹے پیمانے پر پیداوار کی تکنیک اپنائی جائے۔" (پنچمڑھی میں جنرل سیکرٹری کی رپورٹ)

اس سے پہلے یعنی پنچ مڑھی کے اجلاس سے ایک سال پہلے مشری جے پرکاش نارائن نے لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف دلائی تھی۔" اقتصادی اور سیاسی طاقت کی مرکزیت کے نتائج بڑے تباہ کن ہوں گے۔" اور اُنھوں نے زور دیا تھا کہ صنعتوں کو غیر مرکزی رہنے دیا جائے۔ (سیاسی رجحانات - از جے پرکاش نارائن)

اگر سوشلسٹ لیڈر خیال کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں نئی اور طبعزاد (اوریجنل) ہیں تو وہ غلطی پر ہیں۔ سترہ سال پہلے جب سوشلسٹ پارٹی ابھی قائم ہی ہوئی تھی تو ایک شخص نے جسے وہ خود سوشلسٹ نہیں مانتے بالکل یہی باتیں کہی تھیں اور اُس نے یہ باتیں اتنے ہیر پھیر سے نہیں کہی تھیں۔ اُس نے کہا تھا " سچّا سوشلزم دیہاتی صنعتوں کی ترقی میں چھپا ہوا ہے۔ ہم اپنے ملک میں بڑے پیمانے پر پیداوار کر کے افراتفری کے سے حالات نہیں پیدا کرنا چاہتے جو مغربی دیسوں میں پائے جاتے ہیں۔" (ولبھ بھائی پٹیل ۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء)

کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ سوشلسٹ لیڈروں نے زرعی اقتصادیات پر مبنی " متوازن اور نرم رفتار" زندگی کی صفات اور خوبیاں یک بیک دریافت کی ہیں اُس وقت بھی جب سوشلسٹ پارٹی اپنی پالیسی کا سرکاری بیان ۱۹۵۱ء میں پھر چھاپ

رہی تھی۔ فری اشوک مہتہ اپنی بنیادی کتاب "جمہوری سوشلزم" میں وہی نظریہ گھڑ رہے تھے جس کا اظہار پنچ مڑھی میں شری لوہیا نے کیا ہے۔ اس کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ بات بلا شبہ ثابت ہو جاتی ہے۔

دیہاتی پنچایتوں کی بنیاد۔ ہندوستان کی پچھڑی ہوئی اقتصادیات مارکس کے الفاظ میں لوگوں کو ٹھہری ہوئی، بے وقار اور جامد زندگی پر مجبور کر دیتی ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ اس قسم کی زندگی نے ہندوستان کو انگریزوں اور دوسری طاقتوں کا بڑی آسانی سے شکار بنا دیا تھا۔ لیکن اس پچھڑی ہوئی اقتصادیات پر شری اشوک مہتہ نے رنگ چڑھاتے ہوئے کہا ہے۔

"جن لوگوں نے انسانی روح کے طوفانی سمندر کو کھنگالا ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سکون، قلب، توازن، ہم آہنگی اور سب رنگوں کا امتزاج اور کپکپاتی ہوئی حالت میں تناتنی کا ٹھہراؤ پیدا کرنا ہی انسان کا آخری کارنامہ ہے اور تمام فتوحات کی انتہا ہے۔ اس یک رنگی اور ہمہ گیری کا حصول ہندوستانی سماج کا ایک حصہ بن چکا تھا جب سماجی تنظیم ذات پات کے بندھنوں میں کھنچی اور گھٹی ہوئی تھی۔ اور جب سماجی نظام پر سامنتی معشیت کا بوجھ لدا ہوا تھا، اس وقت بھی روحانیت بلند مرتبہ پر موجود تھی۔ شاذ و نادر ہی انسان ان جڑوں سے الگ ہوتا تھا، شاید ہی کبھی وہ اپنے آپ سے بھاگتا ہو۔" (جمہوری سوشلزم)

ایک جگہ اور کہا گیا ہے۔ "صنعتی ترقی اقتصادی طور پر دولت مند بناتی ہے لیکن روحانی طور پر غریب اور عامیانہ بناتی ہے۔" (جمہوری سوشلزم)

اس طرح صنعتی ترقی کے خلاف بغاوت کا علم بہت پہلے ہی بلند کیا جا چکا تھا۔ پسماندگی کو بانس پر چڑھایا گیا ہے اور جسے اشوک مہتہ "زراعتی زندگی" کہتے ہیں۔ اس کی قصیدہ خوانی بھی بہت پہلے سے شروع کی جا چکی ہے۔

اس بات کو محض رجعت پسندانہ رومان پرستی کہنا یا چھوٹے پیمانہ کی معیشت کی ٹیٹ پونجیہ رنگ آمیزی کہنا یا محض گاندھی واد کے آگے ہتھیار ڈالنے کا نام دینا سخت غلطی ہوگی ۔ سوشلسٹ پارٹی کے "نئے نظریہ" کو ان الفاظ میں بیان کرنا درست تو ہوگا لیکن کافی نہیں ہوگا ۔ ہمیں اسے اور زیادہ گہری نظر سے پرکھنا ہوگا ۔ ہمیں دیکھنا پڑیگا کہ سوشلسٹ پارٹی کا یہ نظریہ کس کے مفاد میں ہے ۔ یہ دیکھے بغیر یہ سمجھنا ناممکن ہوگا کہ سوشلسٹ لیڈرشپ جس نظریہ کو اپنی پارٹی پر تھوپنا چاہتی ہے اس کی اصلیت کتنی رجعت پسندانہ ہے ۔

چار سال ہوئے جون ۱۹۴۸ء میں اکافے (اقوام متحدہ کا ایشیا اور دور پورب کے لئے اقتصادی کمیشن) کانفرنس اوٹاکمنڈ میں ہوئی تھی ۔ ہندوستان، پاکستان برما اور دوسرے دیسوں کے نمائندوں کے سامنے جو کہ اپنے ملکوں کی تیز صنعت بندی کے لئے امریکہ سے کافی مشینی سامان حاصل کرنا چاہتے تھے تقریر کرتے ہوئے امریکی سفیر ڈاکٹر گریڈی نے ان کے مطالبہ کو رد کر دیا تھا ۔ اور انتہائی غرور کے ساتھ کہا تھا ۔ "ایشیائی دیسوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ زراعتی ملک سے بھاری صنعتی ملک بننے میں امریکہ کو ایک سو سال لگے ہیں اور اس مدت کو بہت کم نہیں کیا جا سکتا!"

امریکی سامراج کے نمائندوں کے اس بیان کو برطانیہ کی پوری حمایت حاصل تھی ۔ اور ان الفاظ سے گویا اس نے ان ممالک کی صنعت بندی کے خلاف نادرشاہی فیصلہ دے دیا جنہیں اس نے توہین آمیز انداز میں "ایشیائی ممالک" کہا تھا ۔ اس کے لئے سوویت روس کا تجربہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا ۔ اس کے نزدیک پولینڈ، رومانیہ اور مشرقی یورپ کے دوسرے دیسوں کا نیا جنم کوئی معنی نہیں رکھتا تھا یہ تری اور بزرگوں کے سے انداز میں جیسے کوئی بڑا بوڑھا چاند کے لئے مچلتے ہوئے بچے کو پچکار

رہا ہو اُس نے کہا۔ "ہمیں سو سال لگے ہیں اور تم اُس سے کم عرصے میں یہ کام نہیں کر سکتے۔ اِس لئے تم جہاں کھڑے ہو وہیں پر قناعت کرو! ہم تمہاری اسی صورت میں مدد کر سکتے ہیں اگر تم اپنی یہ حیثیت سمجھ لو۔ اس بات کا فیصلہ ہم کریں گے کہ تمہارا ملک کس قدر صنعتی بنایا جائے اور کس رفتار سے"

اس کے بعد کے سالوں میں کیا کچھ ہُوا اُس کی تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں تمام دُنیا جانتی ہے کہ ہندوستان نے کولمبو پلان کو منظور کر لیا۔ جس کا مقصد ہندوستان کو دستِ نگر اور پسماندہ رکھنا ہے۔ اسی بنیاد پر ہند سرکار نے اپنا پانچسالہ پروگرام وضع کیا۔ اور ہر کوئی یہ بات بھی جانتا ہے کہ ہند سرکار نے جو معاہدہ امریکہ کے ساتھ کیا ہے اس سے ہمارے ملک کی صنعت بندی میں قطعاً مدد نہیں ملتی۔ پنڈت نہرو جو کبھی ملک کے صنعتی بنائے جانے کے علمبرداروں میں سے تھے اُنھوں نے اپنے پُرانے خواب ترک کر دیئے ہیں۔ وہ اب زیادہ "گمبھیر اور ذمہ دار" ہو گئے ہیں۔ امریکی اور برطانوی سامراجیوں نے جو پالیسی ہمارے لئے مرتب کی ہے۔ اُسے پنڈت نہرو نے تسلیم کر لیا ہے۔

اور سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں نے بھی اس پالیسی کو مان لیا ہے۔ سوشلسٹ پارٹی نے ہند سرکار کے پانچسالہ پروگرام کو منظور کیا ہے۔ اس کے عمل درآمد میں تعاون کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ یہ وعدہ اس پروگرام کے بارے میں ہے جو ہندوستان کو نہ صرف نوآبادی بنائے رکھنا چاہتا ہے بلکہ جو مزدوروں کو سٹرائیک کرنے کا حق بھی نہیں دیتا۔ جو مزدوروں کی اُجرتوں کو ایک سطح پر جما دینے کی حمائت کرتا ہے اور جو نفع خوری کے لئے سرمایہ داروں کو پوری آزادی دیتا ہے۔ انہوں نے وہ کمیونٹی پروجیکٹ بھی منظور کر لئے ہیں۔ جنہیں امریکی سامراج نے ٹرومین کے بدنام زمانہ چار نکاتی پروگرام کا حصّہ بنا کر رائج کیا ہے۔

یہ ہے وہ گھناؤنی حقیقت جو سوشلسٹ لیڈروں کے آدرش وادی ہیر پھیر کے پیچھے چھپی ہوئی ہے اور جسے چھپا کر سوشلسٹ لیڈر اصل مسائل کو دھندلانا چاہتے ہیں اور یہی حقیقت اس دریافت کے پیچھے چھپی ہے کہ "صنعتی ترقی اقتصادی طور پر دولت مند بناتی ہے اور روحانی طور پر غریب اور عامیانہ بناتی ہے"۔ یا "گیتا اور اس جیسے فلسفے مٹ جائیں گے۔ اگر زراعت کو جدید رنگ دیا گیا۔"

چنانچہ ڈیموکریٹک سوشلزم کی نئی پالیسی محض گاندھی واد کے آگے نظریاتی طور پر ہتھیار ڈال دینا نہیں ہے۔ اتنا تو ہے ہی لیکن اس کی نوعیت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ پالیسی امریکی سامراج کے آگے اقتصادی اور سیاسی طور پر ہتھیار ڈال دینے کے برابر ہے۔ امریکی سامراج جو نہ صرف ہمیں دستِ نگر اور پچھڑا ہوا رکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ جو اپنے سرمایہ کے داخلے سے ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ مہاتما گاندھی کے اقتصادی اصولوں پر اعتقاد ڈاکٹر کمارپّا اور دوسرے گاندھی وادیوں کو امریکی سامراج کے داخلے کی مذمت کرنے سے روک نہ سکا۔ جو کہ مدد کے بہانے ہمارے دیس میں گھستا چلا آرہا ہے مگر سوشلسٹ لیڈروں نے ایسا نہیں کیا۔ برعکس اس کے سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں نے کمیونٹی پراجیکٹوں کا سواگت کیا ہے۔ جو امریکہ کے اس پروگرام کا ایک حصہ ہیں کہ ہندوستان کو غلام بنایا جائے۔

"ٹیکنیکل وسیلے اور سائینس کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔" ۱۹۴۷ء میں سوشلسٹ پارٹی کی یہ پالیسی تھی اور ۱۹۵۲ء میں مسٹر لوہیا اس طرح خبردار کر رہے ہیں "بڑے پیمانہ پر صنعت بندی گمراہ کن اور تباہ کن ہوگی۔" "کلچری اور مادی طور پر جہاں تک ممکن ہو سکے بلند ترین معیارِ زندگی حاصل کیا جائے۔"

۱۹۴۷ء میں سوشلسٹ پارٹی کا علانیہ مقصد یہ تھا۔

"ہندوستان کی ترقی کا راز تعاون۔ چھوٹے اوزاروں اور پُرخلوص محنت میں چھپا

ہُوا ہے " یہ ہے اشوک مہتہ کی آج کی دریافت۔

وہ کون سے اثرات اور عناصر ہیں جو اس تبدیلی کا سبب بنے۔ اس کا جواب سوشلسٹ لیڈر دیں۔

باب آٹھواں

اقتصادیات کے اٹل قوانین

اگر کوئی یہ سمجھے کہ بڑے پیمانے پر ملک کو صنعتی بنائے جانے کے خلاف صرف نظریاتی اور روحانی وجوہات دی گئی ہیں۔ تو وہ شخص شری اشوک مہتہ اور اُن کے دوستوں سے ناانصافی کرے گا۔ انہوں نے بڑے وزن دار اور مدلّل اقتصادی وجوہات بھی دی ہیں۔ اگر یہ وجوہات بالکل برطانوی اور امریکی سامراجیوں کے دیئے ہوئے وجوہات کی طرح نظر آتے ہیں تو کیا کیا جائے۔ کیونکہ شری اشوک مہتہ ہمیں بتاتے ہیں۔ " اقتصادیات کے کچھ ایسے اٹل اور پیچیدہ اصول ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی انقلاب توڑ نہیں سکتا۔"

(جمہوری سوشلزم)

شری اشوک مہتہ کہتے ہیں کہ یہ قوانین " پچھڑی ہوئی معیشت پر بعض پابندیاں عائد کرتی ہیں۔" وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان قوانین سے سوویت یونین کی صنعتی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑی۔ حالانکہ اس کی بھی " معیشت پچھڑی ہوئی تھی " اور نہ ان قوانین سے عوامی جمہوریتوں کی ترقی میں رکاوٹ پڑ رہی ہے، لیکن شری اشوک مہتہ کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ بہت بڑے پیمانے پر " جبری محنت، قید و بند اور خفیہ پولیس "

کی مدد سے ہو رہا ہے۔ لہذا شری اشوک مہتہ کا مشورہ ہے کہ ہمیں ان "اٹل اور پیچیدہ" قوانین کی پابندی کرنی پڑے گی اور کم سے کم ایک طویل عرصہ کے لئے بڑے پیمانے پر صنعت بندی کرنے کا خیال چھوڑ دینا پڑے گا۔

کوئی شاید یہ کہے کہ او ٹاکمنڈ میں امریکی سفیر گیلبریتھ نے بھی تو یہی کہا تھا؟ مگر نہیں اس قسم کا گھٹیا اور غیر ذمہ دارانہ فقرہ سنجیدہ قسم کی اقتصادی بحث میں بے محل سمجھا جائے گا۔ "جذباتی نعرہ بازی اور سیاسی نقطہ نگاہ کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ کسی پچھڑے ہوئے دیس کی تیز ترقی کے بنیادی مسائل کی سوجھ بوجھ کو کوئی خاص رنگ دیدے۔"

(جمہوری سوشلزم)

تو پھر ہمارے دیس کے سامنے آئندہ کا کیا خاکہ ہے؟

"ہندوستان کی ادھوری طور پر نشو و نما پائی ہوئی اقتصادیات ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم فوراً معیار زندگی بلند کر سکیں۔ اور آبادی کے لحاظ سے ناکافی ذرائع ہماری اقتصادیات کے پھیلنے کے آگے بند لگا دیتے ہیں!" (ڈیموکریٹک سوشلزم)

ہمارے ذرائع "محدود" ہیں اور ہماری آبادی زیادہ ہے۔ لہذا "اقتصادیات کے اٹل اور پیچیدہ اصول" ہمیں مستقل طور پر پسماندہ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس لئے ہمارے ملک میں معیار زندگی امریکہ اور مغربی یورپ کے دیسوں کی بلندی پر کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

یہ وہ نتیجہ ہے جو "ڈیموکریٹک سوشلزم" کی پیداکردہ سب سے زیادہ مستند کتاب کے آخری صفحہ پر اخذ کیا گیا ہے۔ خود شری جے پرکاش نارائن نے اس کتاب کی سفارش کی ہے اور شری پریم بھسین نے اسے "سوشلسٹ فلسفے کا عظیم کارنامہ" بتایا ہے! "شری پریم بھسین سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر ہیں۔

قدرت اور اقتصادیات کے اصولوں نے سازش کر رکھی ہے کہ ہندوستان کو ایک پچھڑا ہوا دیس اور اس کے باشندوں کو غریب رکھا جائے۔ ماضی میں سوشلسٹ لیڈر اس قسم کی گفتگو کو سامراج کے حامیوں اور کٹر قسم کے رجعت پسندوں سے وابستہ کیا کرتے تھے لیکن شاید اس لئے کہ اس وقت "جذباتی نعرہ بازی اور سیاسی نقطہ نگاہ نے" ان کے خیالات کو خاص رنگ دے دیا تھا۔ لیکن آج انہوں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ وہ اپنے لڑکپن سے گذر آئے ہیں اور اب حقیقت پسند ہو گئے ہیں۔

وہ دلیل دیتے ہیں کہ ہندوستان کی آبادی زیادہ ہے اور سرمایہ کم۔ اگر برطانیہ کا موجودہ سرمایہ بھی قبضہ میں کر لیا جائے۔ تب بھی سرمایہ کی کمی رہے گی۔ بڑے پیمانے پر ملک کو صنعتی بنائے جانے کا تقاضہ ہے کہ نئے سرمایہ کی کثیر رقم پیدا کی جائے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک کہ لوگوں کو اور زیادہ غریب نہ بنایا جائے۔ ان پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے اور انہیں غلام نہ بنایا جائے۔ لہٰذا ہمیں پسماندہ ملک رہنے اور اپنی تھوڑی اقتصادیات پر قناعت کرنی چاہئے۔

اگر اس غلط دلیل کی کاٹ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو کوئی نتیجہ نہیں نکلیگا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر ان حضرات کو بتایا جائے کہ وہ مالتھوز کے مردہ نظریے کو پھر زندہ کر رہے ہیں۔ اُن سے یہ کہنا بھی فضول ہوگا کہ ہندوستان کے لوگوں کی غریبی اور زمین پر ہر لحظہ بڑھتے ہوئے بوجھ کا ہی تقاضا ہے کہ ملک کو تیزی سے صنعتی بنایا جائے۔ کیونکہ یہ ایک اقتصادی ضرورت ہے۔ اور اس بات کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر اُن سے کہا جائے کہ جو ملک اقتصادی طور پر پسماندہ رہتا ہے وہ سیاسی طور پر دست نگر رہتا ہے یعنی اقتصادی پسماندگی اور سیاسی دست نگری لازم و ملزوم ہیں۔

اور یہ بات بھی بے فائدہ ہوگی اگر انہیں جو کچھ چین میں ہو رہا ہے بتایا جائے کہ کس طرح ایک عظیم ملک ہماری آنکھوں کے سامنے نیا جنم لے رہا ہے۔

چین کی اقتصادیات سالوں کی جنگ کی وجہ سے تباہ رہیں۔ چین کی آبادی ہمارے ملک کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اُس کے ذرائع آمدورفت ہمارے ملک سے بھی گھٹیا تھے۔ لیکن چین ان نام نہاد اقتصادی اصولوں کے آگے نہیں جھکا جو امریکی سفیر گریڈی نے مرتب کئے اور جمہوری سوشلزم کے لیڈروں نے اپنی پالیسی کی بنیاد بنایا۔ چین جس کی ۹۰ فیصدی اقتصادیات زرعی تھیں ایک ایسا پروگرام عمل میں لا رہا ہے جو اس کو زرعی ملک کی جگہ صنعتی ملک بنا دیگا۔ چین میں سرمایہ لوگوں کو بھوکوں مار کر اور تنگدست بنا کر پیدا نہیں کیا جا رہا ہے اور لوگوں سے زبردستی محنت نہیں کروائی جاتی۔ اور اس بات کی تصدیق شریمتی وجے لکشمی پنڈت نے بھی کر دی ہے۔ بلکہ چین میں تمام لوگوں کو پیداوار کے کام پر لگا کر اور اس طرح نئی دولت پیدا کر کے سرمایہ حاصل کیا جا رہا ہے۔ سوویت روس کی مدد سے اور سوویت روس کے تجربات کو بنیاد بنا کر عوامی چین کے لیڈر عظیم پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اپنے ملک کا نقشہ ہی بدل رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو رہا ہے اور ان لوگوں نے یہ آنکھوں دیکھی بات کہی ہے جو کمیونزم کے ہمدرد نہیں ہیں۔

سوشلسٹ لیڈر اگر ان رپورٹوں پر اعتبار نہیں کرتے اور اگر وہ طویل بحث کرتے ہیں۔ جیسی کہ "جمہوری سوشلزم" میں اشوک مہتہ نے کی ہے۔ یعنی یہ کہ ہندوستان جیسے پس ماندہ ملک کو صنعتی بنانے کی کوشش کرنا لازمی طور پر لوگوں کو بھوکوں مارنا ہے تو انہیں عالمی تجارتی رپورٹ (۵۲-۱۹۵۱ء) پڑھنی چاہیئے۔ جسے یو۔ این۔ او نے شائع کیا ہے اور جس میں عوامی چین کے حالات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔

"چین میں زراعتی پیداوار مجموعی طور پر ۵۱-۱۹۵۰ء میں زیادہ تھی۔ کیونکہ اب پہلے سے زیادہ زمین زیر کاشت ہے۔ آب پاشی کے طریق کار کھاد اور کیڑے مارنے والی

دوائیں زیادہ استعمال کی گئی ہیں.... زراعت، صنعت کی بحالی اور زرعی اصلاحات کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اصل آمدن میں اضافہ ہوا ہے۔ اور مزدوروں اور کسانوں نے زیادہ اشیاء استعمال کیں۔"

یاد رہے کہ جن لوگوں نے یہ رپورٹ دی ہے وہ کمیونزم کے دوست نہیں ہیں۔ یہ رپورٹ ایسے ادارے کے اقتصادی ماہرین اور افسروں نے تیار کی ہے۔ جس نے عوامی چین کی حکومت کو ادارے کا ممبر نہیں بننے دیا۔

سوشلسٹ لیڈر روسی سامراج کی باتیں کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ سوویٹ روس دوسرے ملکوں پر غلبہ پانا چاہتا ہے۔ روس نے چین کو کس قسم کی امداد دی ہے اس کا مقابلہ "اس امداد" سے کیا جائے جو ہندوستان کو امریکہ سے مل رہی ہے لندن کے اخبار ٹائمز نے اپنے ۱۴ فروری ۱۹۵۲ء کے ایڈیٹوریل میں اس پر رائے زنی کی ہے۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روس نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ روس نے چین کو چین کے خام مواد کے عوض میں قرض اور سامان دے کر اقتصادی امداد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سال خبر آئی ہے کہ روس نے ٹریکٹر، فصل کاٹنے کی مشینیں۔ مل۔ کپڑا کارخانوں کے لئے رکھڈیاں اور دھات اور ریل کے کارخانوں کے لئے اوزار اور دوسرا سامان دیا ہے۔ روس نے انجینیروں، پل بنانے والے کاریگروں، ریلیں تیار کرنے والے، ڈیم بنانے والے اور صحت صفائی کے مرکز کھولنے والے ماہرین کے دستے بھی بھیجے ہیں۔ اور یہ بات معنی خیز ہے کہ یہ دستے ڈائرکٹر بن کر نہیں آرہے بلکہ اصل میں عام مزدوروں کی حیثیت میں آرہے ہیں۔ جو اپنے ذمے کا کام کرتے ہیں اور واپس روس چلے جاتے ہیں۔"

چین میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

وہ دریا جو چند سال پہلے تباہی پھیلا دیتے تھے اب انہیں قابو میں کر لیا گیا ہے۔ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۱ء کے عرصے میں چین میں سیلاب والا علاقہ ایک کروڑ ۶ کروڑ ستر لاکھ ہیکٹر

سے ایک کروڑ چالیس لاکھ ہیکٹر رہ گیا ہے۔ ملک بھر میں آب پاشی کے لئے عظیم تعمیریں ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے ڈیم بنائے جا رہے ہیں۔ زمین کے وہ بڑے بڑے ٹکڑے جو بنجر پڑے تھے اب اُن پر ہل چلایا جا رہا ہے۔ زراعتی پیداوار اتنی بڑھ گئی ہے کہ چین کی تاریخ میں اُس کی مثال نہیں ملتی۔

صنعت کے میدان میں ترقی اور زیادہ نمایاں ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان شمال مشرقی چین میں صنعتی پیداوار ۱،۴۲ فیصدی ہے ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء کے درمیان یہ اضافہ ۵،۱۴ فیصدی تک پہنچ جائے گا (اور شری اشوک مہتہ کے بیان کے مطابق امریکہ میں ۱۸۴۹ء اور ۱۹۲۹ء کے دوران میں ترقی کی شرح ۸،۴ فیصدی سالانہ رہی ہے) صرف شمال مشرقی چین میں صنعتوں نے ایک سال میں جو نیا سرمایہ پیدا کیا ہے۔ یہ اس نشانے سے بقدر ایک کروڑ ٹن اناج یا دوسرے لفظوں میں کم سے کم ۳-ارب روپیہ زیادہ ہے، جو نشانہ کہ پہلے سامنے رکھا گیا تھا۔

چین اس طرح آگے بڑھ رہا ہے۔ چین اس طرح آبادی کی کثرت اور ٹیکنیکل وسیلے کے گھٹیا معیار کے مسائل کو حل کر رہا ہے۔ چین اس طرح سرمایہ پیدا کر رہا ہے۔ اقتصادیات کے وہ اٹل قوانین جن کے آگے شری اشوک مہتہ سر جھکاتے ہیں چین کے لیڈروں اور عوام کے لئے کوئی ہوّا نہیں ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ قوانین پھلتے پھولتے ہیں جہاں سرمایہ دار۔ جاگیردار راج کرتے ہوں۔ ہر سماجی نظام اپنے قوانین رکھتا ہے۔ شری اشوک مہتہ اور ان کے دوست یہ سب کچھ جان گئے ہوتے اگر وہ مارکسزم کو بالکل چھوڑ نہ چکے ہوتے اور اگر وہ سوویت روس کے تجربات سے سبق سیکھنے کی کوشش کرتے۔

بابِ نواں

جمہوری سوشلزم کا نظریہ

جمہوری سوشلزم کا نظریہ کیا ہے؟ اور اس کے بنیادی عقیدے کیا ہیں؟ ان عقیدوں کی ممتاز خصوصیات کیا ہیں؟ سوشلسٹ فلسفہ کو جمہوری سوشلزم نے کون سی مخصوص چیزیں دی ہیں؟ مارکس اور لینن کی کون سی تعلیمات کو سوشلسٹ پارٹی مانتی ہے اور کِن کو رَد کرتی ہے؟ اور یہ کِن کِن باتوں میں فیبین ازم، سماجی جمہوریت اور مارکس سے پہلے کی خیال پرستی اور گاندھی واد سے مختلف ہے؟

یہ اور اس قسم کے سوالات بار بار اُٹھائے گئے ہیں نہ صرف پارٹی کے نقادوں کی طرف سے بلکہ پارٹی کے ممبروں کی طرف سے بھی مباحثہ اور پارٹی کانفرنس کے دوران میں۔ ان سوالات کے ٹھوس جوابات کبھی نہیں دیئے گئے۔ بعض لیڈروں نے دعویٰ کیا ہے کہ پارٹی مارکسی ہے لیکن یہ کٹّرپن اور عقیدہ پرستی کو رَد کرتی ہے۔ دوسروں نے مثلاً شری لوہیا نے کبھی اس بات کو نہیں چھپایا کہ وہ ہر مارکسی اصول سے اِنکار کرتے ہیں۔ اکثر اوقات تو ایک ہی لیڈر نے مختلف موقعوں پر مختلف جوابات دیئے ہیں۔

سوشلسٹ پارٹی نے جو نظریے پیش کئے ہیں۔ ہم نے اُن کا جائزہ لیا۔ اور عالمی حالات، جمہوریت اور سوشلزم کے تصوّرات اور اقتصادی مقاصد کے بارے میں ہم نے اس کے نقطہ نظر کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ان تمام نظریات میں کوئی نئی یا طبعزاد بات نہیں ہے۔ اس پارٹی نے جتنے بھی نظریے پیش کئے ہیں۔ ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے۔ پارٹی کے سارے لٹریچر کو کھنگال ڈالئے تو پتہ چلتا

ہے کہ یہ کوئی نیا خیال یا کوئی نیا نظریہ نہیں ہے جو کہ بہت پہلے وضع نہ کیا گیا ہو۔ جو مارکسزم کی نام نہاد نظرثانی کرنے والوں، اور مختلف ناقدوں نے گھڑا نہ ہو یا بورژوا تاریخ دانوں نے اقتصادیات کے ماہروں، خیال پرستوں۔ پیٹی بورژوا آندش پسندوں نے اور گاندھی جی اور اُن کے پیروکاروں نے پیش نہ کیا ہو۔ رد کئے ہوئے خیالات کو اس زور شور سے نئی دریافتیں بنا کر پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا تھا۔

لہذا کسی مخصوص بنیادی اصول سے ڈیموکریٹیک سوشلزم کے عمل اور نظریات کو اخذ کرنے کی ہر ایک کوشش بے سود رہے گی۔ ڈیموکریٹیک سوشلزم کا اپنا کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ محنت کشوں کے انقلابی نظریے یعنی مارکسزم کو رد کر کے ڈیموکریٹیک سوشلزم کی بنیاد رجعت پسندانہ نظریات پر رکھی گئی ہے جن کا پراپیگنڈہ سرمایہ دار طبقے کے "عالم فاضل" کرتے رہتے ہیں۔ مارکسزم کو محض عقیدہ پرستی بتا کر سوشلسٹ پارٹی نے اسے ترک کر دیا۔ اور بورژوازی کی مردہ عقیدہ پرستی کو زندہ کرنے لگی۔ مارکسزم سے اپنی پسند کے نکالے ہوئے چند خیالات جو گاندھی واد اور سماجی جمہوریت کی کھچڑی کے لئے جھین پردہ ثابت ہوتے ہیں۔ اقتصادی رومان پرستی، فیبین ازم، کمیونزم اور انقلاب سے دشمنی اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ نظام پر تنقید، دقیانوسی زراعت کی انحطاتی قصیدہ خوانی اور امریکی طرز زندگی کی رنگ آمیزی۔ نو آبادیاتی نظام کی مخالفت (کیونکہ وہ سامراج کے لفظ سے بدکتے ہیں) برطانوی لیبر پارٹی کی قصیدہ خوانی۔ پارلیمانی طور طریقہ میں سرمایہ دارانہ اعتقاد۔ برت اور ستیہ آگرہ کے اثر میں اعتقاد کا اعلان۔ ان سب باتوں کی کھچڑی ڈیموکریٹیک سوشلزم کا "نظریہ" بن جاتی ہے۔

یہ نظریہ بجائے خود اس مقصد کو چھپانے کے لئے ہے۔ جس کا اعلان اس وقت کیا گیا تھا۔ جب سوشلسٹ پارٹی کانگرس سے الگ ہوئی تھی یعنی حکومت کے خلاف

عام لوگوں کی بے چینی سے فائدہ اٹھاکر ایک پارلیمنٹری" مخالف پارٹی" کا قیام ایک ایسی مخالف پارٹی کا قیام جو صرف چناؤ کے ذریعہ اقتدار حاصل کرے گی یا اقتدار میں حصہ بٹائے گی۔ ایسی پارٹی کو کمیونزم کی مذمت اور جنگجویانہ عمل کی مخالفت کرنی پڑے گی اور جمہوری طریقوں" میں اپنے اعتقاد کا ڈھنڈورہ پیٹنا پڑے گا تاکہ حکمران طبقات کو یقین دلایا جائے۔ کہ وہ " مناسب اور درست" پارٹی ہے جمہوری سوشلزم کی اصلیت - اسی مقصد اور طریق کار پر اس وقت بھی مبنی تھی جب یہ پارٹی بنائی گئی۔ باقی تمام چیزیں تو محض سجاوٹ اور حاشیہ آرائی کے طور پر تھیں۔ یہ سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں کی بدقسمتی ہے کہ وہ ان قومی اور بین الاقوامی حالات کو سمجھ نہ سکے۔ جن حالات میں وہ اپنا یہ پارٹ ادا کرنا چاہتے تھے دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی سرمایہ داری اور نوآبادیاتی نظام کا بحران گہرا ہوگیا تھا۔ انقلابی طاقتوں نے بے مثال ترقی کرلی تھی۔ سوشلزم، جمہوریت اور امن ایک طرف سامراج، رجعت پسندی اور جنگ دوسری طرف یہ جدوجہد ایسی سطح پر پہنچ چکی تھی کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں جو نام نہاد آزادی حاصل کی گئی تھی۔ اُس نے لوگوں کا ایک بھی مسئلہ حل نہیں کیا تھا۔ پوری اقتصادیات جو سامراجی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے ٹوٹنے کی حد تک پہنچ چکی تھی اب ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی۔

ان حالات میں جو مسئلے پیدا ہوئے تھے "ڈیموکریٹک سوشلزم" کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے اعلان کر رکھا تھا کہ وہ دونوں کیمپوں کے درمیان غیر جانبدار رہے گا۔ لیکن یہ جھوٹی غیر جانبداری چینی عوام کی فتح، ملایا اور ویٹنام کی جنگ، امریکہ کے کوریا میں جارحانہ حملہ، عالمی جنگ اور دُنیا پر تسلط پانے کے لئے امریکہ کی دوڑ کے سامنے قائم نہ رکھی جاسکی۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ اس کا اعتقاد

تعمیری اور جمہوری طریقوں " پر ہے۔ لیکن محض یہ اعلان ہندوستان کے حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کوئی مطلب نہیں رکھتا تھا۔ جہاں لُٹیرے طبقات آئے دن بڑھتے ہوئے حملوں سے عوام کو جدوجہد پر مجبور کر رہے تھے اور جہاں جمہوری حقوق کو سرکار کچل رہی تھی۔ لہذا پارٹی کو اپنا اصلی کردار بے نقاب کرنا پڑا۔

ان تمام سالوں میں سوشلسٹ پارٹی پر شش و پنج کی سی کیفیت طاری رہی ہے اور اس شش و پنج کو ڈاکٹر لوہیا نے اپنے پنچ مڑھی کے ایڈریس میں یوں ظاہر کیا ہے۔

" سرمایہ داری اور کمیونزم کی دو دنیاؤں کے درمیان پھنس کر سوشلزم ایسا نظریہ وضع نہیں کر سکا جس سے تبدیلی اور استحکام دونوں کے تقاضوں کے درمیان سمجھوتہ کرا سکے۔ بتایا نہیں جا سکا جو استحکام کی ضرورت موجودہ حالت کو مضبوط بنائے بغیر پورا کر سکے اور جو تبدیلی کی ضرورت کو افراتفری پیدا کئے بغیر پورا کر سکے۔"

یہ انکشاف ڈیموکریٹک سوشلزم کے سارے کردار کو ننگا کر دیتا ہے اور یہی بات بالکل ثابت کر دیتا ہے جسے ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ابھی تک ڈیموکریٹک سوشلزم کا کوئی بنیادی نظریہ نہیں ہے۔ ابھی اسے ایک نظریہ " وضع " کرنا ہے۔ ایسا نظریہ جو تبدیلی اور استحکام دونوں کے تقاضوں کے درمیان سمجھوتہ کر سکے۔

" تبدیلی اور استحکام کے درمیان سمجھوتہ " دراصل ان لوگوں کے مفادات کے ساتھ سمجھوتہ ہے جو موجودہ نظام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور جو موجودہ نظام میں دُکھ سہتے ہیں " تاکہ ترقی " بتدریج " ہو یعنی دوسرے لفظوں میں موجودہ نظام کو ختم کرنے کے لئے شدید تصادم سے جسے ڈاکٹر لوہیا افراتفری کہتے ہیں، بچا جا سکے۔ اسی مقصد کا اعلان آزاد خیال بورژواؤں، خیال پرستوں اور مختلف سکولوں کے " سماجی جمہوریت پرستوں " کا شیوہ رہا ہے کیونکہ ان کے نزدیک طبقاتی جنگ ایک برائی ہے اور جنہوں نے اکثر اوقات کارل مارکس کی تاریخی ترقی کے قوانین کو غلط قرار دیا ہے۔ ڈیموکریٹک سوشلزم

کا بھی یہی مقصد چلا آرہا ہے۔

لیکن یہ مقصد کبھی حاصل نہ ہوا۔ یہ ایک تصور ہی رہا۔ ایک خواب ہی رہا۔ جدوجہد تیز ہوتی گئی۔ استحکام اور تبدیلی کے درمیان سمجھوتہ نہ ہو سکا اور آگے بڑھتی ہوئی تاریخ نے بار بار کارل مارکس کی بنیادی تعلیمات کو سچا ثابت کیا۔ اس کی وجہ سے ہر ایک سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں بحران پیدا ہوا۔ بار بار انقلاب سے غداری کی گئی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ سماجی جمہوریت حکمران طبقوں کا ایک ذلیل اوزار بن کر رہ گئی۔

یہی ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ شری اشوک مہتہ اور شری جے پرکاش نارائن کے اعتقاد کے خلاف جو کبھی مارکسزم کی دھجیاں اڑانے اور کبھی اس کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تاریخی ترقی کے قوانین کوئی سرحد قبول نہیں کرتے۔

باب دسواں

پنچ مڑھی اور اس کے بعد

جولائی ۱۹۵۰ء کو مدراس میں جب ڈیموکریٹک سوشلزم کے نظریات کے دھندلے اور مبہم ہونے پر تنقید ہوئی تو شری جے پرکاش نارائن نے وعدہ کیا تھا۔ "مجھے امید ہے کہ اگلے سال کے عرصے میں ہم اس قابل ہو جائیں گے۔ کہ ڈیموکریٹک سوشلزم کی زیادہ واضح تصویر پیش کر سکیں گے اور میں بھی کام میں حصہ ڈالونگا اور ہاتھ بٹاؤنگا" یہ وعدہ پورا کیا گیا لیکن اس طریقے سے جس کی توقع سوشلسٹ پارٹی کے شاید ہی کسی

ممبر کو رہی ہو۔ اگست ۱۹۵۱ء میں شری جے پرکاش نے اپنے پمفلٹ "سیاسی رُجحانات" میں اعلان کیا۔ "کوئی شخص بھی جو سرودے تجویز کو پڑھنے کی تکلیف کرے گا۔ اُسے اس میں سوشلسٹ پارٹی کے فوری پروگرام کا اسی فیصدی حصہ موجود ملیگا۔ اور علاوہ اس کے ذات پات اور طبقات سے مبرا سماج کا مشترکہ آدرش بھی موجود ہے۔

شری جے پرکاش نارائن نے سرودے تجویز کی سفارش کی کہ وہ بنیادی سماجی انقلاب کا ایک ٹھوس پروگرام ہے۔

"ڈیموکریٹیک سوشلزم کی مکمل اور واضح تصویر" کی تلاش اپنے انجام کو پہنچ رہی تھی یہ تصویر اگست ۱۹۵۱ء میں ۴/۵ حصہ بن بھی گئی تھی۔ اور اس تصویر کا باقی حصہ مئی ۱۹۵۲ء میں سوشلسٹ پارٹی کی کنونیشن پنچ مڑھی میں مکمل ہو گیا۔

اس کنونیشن میں جو سیاسی اور اقتصادی نظریات پیش کئے گئے اُن کا تجزیہ کیا جاچکا ہے اور اب اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جس سنجیدگی کے ساتھ یہ نظریات بیان کئے گئے تھے۔ جس روحانی الم غلم" اور گڑبڑ تال میں ان خیالات کو چھپایا گیا اُس سے اصل بات ڈھپنی نہ رہی۔ حتیٰ کہ جو ڈیلیگیٹ وہاں جمع تھے وہ سخت تشویش میں وہاں سے رخصت ہوئے۔

سوشلسٹ لیڈروں نے چناؤ پر کس طرح تبصرہ کیا ہے؟ اُس چناؤ پر جس نے جمہوری طاقتوں کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس میں کانگرس کے وقار اور اثر کو شدید دھکا لگا تھا۔ جس نے لوگوں کے دل میں جدوجہد اور اتحاد کی زبردست آرزو پیدا کی تھی۔

سوشلسٹ پارٹی نے کانفرنس میں جو ریزولیوشن پاس کیا۔ اس میں درج ہے "چناؤ سے جو سیاسی زندگی کے حصے بکھرے ہوئے ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی اُسے نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

بالکل اسی طرح جس طرح پارٹی نے چناؤ سے پہلے محض مایوسی اور شکست خوردگی دیکھی تھی۔ ان کی تقریروں اور ریزولیوشنوں سے یہ ظاہر ہے۔ اُنہیں عوام کی دلیرانہ جدوجہد کہیں دکھائی نہ دی تھی، اب چناؤ کے بعد اُنہیں سیاسی زندگی کے حصے بخرے دکھائی دے رہے ہیں۔ کانفرنس میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے پارٹی کے جنرل سیکرٹری شری اشوک مہتہ نے نئے سیاسی حالات کا نچوڑ اس طرح بیان کیا ہے۔

"گذشتہ چناؤ سے بلاشک وشبہ کانگرس کو طاقت حاصل ہوئی ہے۔ چار کروڑ سے زیادہ ووٹ کانگرس کے حق میں پڑے ہیں۔ اور عام لوگوں کے ایما سے اس کے اقتدار کی مدت بڑھ گئی ہے"

چھ کروڑ لوگوں نے کانگرس کے خلاف ووٹ دیئے تھے۔ کانگرس لوگوں میں اقلیت بن کر رہ گئی تھی اور کانگرس کو جو اجارہ دارانہ حیثیت حاصل تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔ اور مجموعی طور پر فرقہ پرست قوتوں نے کانگرس کے کھوئے اثر کو حاصل نہیں کیا بلکہ وہ ترقی پسند قوتوں کے حصے میں آیا تھا۔ اور ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کے سامنے نئے امکانات روشن ہو گئے تھے۔ ان سب چیزوں کا ذکر تک شری اشوک مہتہ کی رپورٹ میں نہیں ہے،

شری اشوک مہتہ مزید کہتے ہیں "کانگرس نے بڑی حد تک اپنی خود اعتمادی کو واپس پالیا ہے اور اب اسے بہت بڑا موقع ہاتھ آیا ہے۔ وہ نوجوان طبقہ جو پچھلے چار سال سے کانگرس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اب اپنا رویہ بدل لیگا۔ مستقبل قریب میں کانگرس کے اندر انتشار کے امکانات بہت کم ہیں۔ مگر کانگرس میں یہ امکانات بھی بہت کم ہیں کہ وہ سوشلزم کی طرف بڑھے"

شری ایس کے پاٹل بھی اتنی رنگ آمیزی سے کانگرس کے مستقبل کی تصویر کھینچنے میں ہچکچائیں گے۔ اور جہاں تک اقتصادی اور سیاسی پالیسیوں کا تعلق ہے۔ جن پر کانگرس کو چلنا تھا۔ کانگرس کی پانچسالہ حکومت سے ان لیڈروں نے اس کے بارے

میں کچھ نہیں سیکھا تھا۔ انہیں تو بس یہ احتمال تھا کہ شائد کانگریس سوشلزم کی طرف نہ بڑھے۔

حقائق کی طرف سے اس طرح آنکھیں بند کر لینے سے کوئی کیا نتیجہ نکال سکتا ہے لڑاکے عوام کی جدوجہد کو دیکھنے سے انکار۔ ان لوگوں کے آگے عاجزی سے سر جھکانا جنہیں عوام کی اکثریت نے دھتکار دیا ہو، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ان کے اندر اس قدر بزدلی، اس قدر بے حوصلگی اور ایسی ذلیل غلامانہ ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔ ڈیموکریٹیک سوشلزم کے عمل اور نظریات اور ان کے نتیجے میں سوشلسٹ پارٹی کا عوام سے کٹ کر الگ ہو جانا، سبب بنا ہے اس ذہنیت کا۔

سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں نے زور دے کر لکھ دیا ہے کہ ان پالیسیوں کو جاری رکھا جائے گا۔ شری جے پرکاش نارائن نے "کمیونسٹوں کے چیلنج کا مقابلہ" کرنے کی ضرورت کا اعلان ہے اور شری اشوک مہتہ نے ایک بار پھر بنیادی پالیسی پر زور دیا کہ "اگر ہم کمیونزم کو بڑھنے سے روکنے کی طرف زیادہ توجہ دیں تو اس سے سوشلسٹ پارٹی کو فائدہ پہنچے گا۔"

یاد رہے کہ "کمیونزم کو پھیلنے سے روکنے" کی اصطلاح سب سے پہلے امریکی سامراجیوں نے استعمال کی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح "فولادی پردے" کی اصطلاح سب سے پہلے ڈاکٹر گوبلز نے استعمال کی تھی۔

ہندوستانی چناؤ کے نتائج نے جو خوف وہراس امریکی حکمران طبقے میں پیدا کیا ہے اُسے دُنیا جانتی ہے۔ چیسٹر باؤلز، ڈین ایچیسن، تھارپ اور خود ٹرومین نے اس بارے میں عام جلسوں میں جو تقریریں کی ہیں۔ ان کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ کل ہی کی بات ہے۔ انہوں نے امداد، قرض، سمجھوتوں اور دوسرے ہتھکنڈوں سے ہندوستان کی "جمہوریت" کو بچانے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے "کمیونزم

کو پھیلنے سے روکنا! " اُن کا اعلانیہ مقصد ہے۔ اور اصل مقصد جیسا کہ برطانیہ۔ فرانس اور دوسرے ملکوں کی حالیہ تاریخ سے ظاہر ہے یہ ہے کہ ہندوستان کو اپنا دم چھلا بنایا جائے۔ اور ہندوستانی حکومت کو کٹھ پتلی حکومت بنایا جائے۔ جیسی کہ چیانگ کائی شیک، باؤ دائی اور سنگمن ری کی حکومتیں ہیں۔

جو لوگ اپنے کمیونسٹ دشمن جذبے کی بدولت اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ انہیں یہ خطرہ نہیں سوجھتا انہیں سنبھل کر یہ سوچنا چاہیئے کہ ان کی پالیسیاں کیا ہیں اور وہ کن لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔

:: نچ مڑھی میں پارٹی نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ پارٹی کی اکائیوں کو مصیبت اور ناانصافیوں کے خلاف ستیہ آگرہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔ جہاں بھی ضروری ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جدوجہد کی مخالفت کی پالیسی کو ترک کر دیا گیا تھا۔ بلکہ اس کا مطلب تھا کہ اُس پالیسی کو نئے حالات کی روشنی میں جاری رکھا جائے۔

یہاں سوال تشدّد اور عدم تشدّد کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ بیدار عوام سرکار اور لٹیروں کے خلاف کون سا رول ادا کریں۔ کیا انہیں جدوجہد میں سرگرم حصّہ لینا چاہیئے یا انہیں خاموش مگر ہمدرد تماشائی بنے رہنا چاہیئے۔ سوشلسٹ پارٹی نے جو کئی ستیہ گرہ کئے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوشلسٹ پارٹی نے خاموش تماشائیوں والا رول عوام کو سونپا ہے۔ سوشلسٹ پارٹی کے دستے ستیہ آگرہ کرتے ہیں اور عوام دیکھتے ہیں۔ ایسی علامتی جدوجہد سے عوام کو کیا فائدہ، اس سے فضول طاقت ضائع ہوتی ہے اور یہ جدوجہد اصل کام سے توجہ ہٹاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل میں سوشلسٹ پارٹی نے یہ ستیہ آگرہ عوام میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر حاصل کرنے کے لئے شروع کیا ہے۔ اور یہ کمیونزم کو پھیلنے سے روکنے کی بنیادی پالیسی کا حصّہ بھی ہے، یعنی حقیقی عوامی تحریک کو اُبھرنے

سے روک دینے والی پالیسی۔

سوشلسٹ پارٹی اور مزدور کسان پرجا پارٹی کے امکانی ادغام کے بارے میں بھی اندازے لگائے جا رہے ہیں۔ اگر ان دونوں پارٹیوں کے نظریات کی یکسانیت ہی اس ادغام کا سبب بنتی تو یہ معاملہ انہی دونوں پارٹیوں سے متعلق ہوتا۔ لیکن ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ بات نہیں۔ جہاں تک سوشلسٹ لیڈروں کا تعلق ہے۔ ان کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کو سب سے الگ کر دیں۔ اور مدراس کے متحدہ محاذ کو توڑ دیں اور مزدور کسان پرجا پارٹی پر اپنا بنیادی نظریہ ٹھونس دیں۔ یعنی یہ نظریہ کہ اصل دشمن کمیونزم ہے نہ کہ کانگرس۔ اور اس دشمن کے خلاف لڑنا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے اگر مدراس کے متحدہ محاذ کو جو چناؤ کے بعد جمہوری قوتوں کا عظیم ترین کارنامہ ہے توڑنا بھی پڑے تو "جمہوری سوشلزم" کو اس کی فکر نہیں۔

یہ ہے عوام اور عوامی تحریکوں کی طرف سوشلسٹ پارٹی کا رویّہ۔ ان کا بس ایک ہی کام ہے۔ کمیونزم کے خلاف لڑا جائے اور وہ جو محاذ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا اوّلین مقصد کمیونسٹ پارٹی سے لڑنا ہے۔

جس اثنا میں ان تباہ کن پالیسیوں پر عمل ہو رہا ہے اس اثنا میں واقعات تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ شمالی چین میں امریکیوں کی لگاتار بمباری سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جنگ کا خطرہ کتنا شدید ہو چکا ہے۔ جنگ جس کا خطرہ ہر ایک ملک کو ہے۔ ہر قوم کو ہے۔ ہندوستان کے اندر اقتصادیات مندواڑے کی گرفت میں ہے، جس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی ہے۔ دیس کے کئی حصّوں میں قحط پڑا ہوا ہے۔ ہند سرکار کی نئی غذائی پالیسی اس سنکٹ کو اور گہرا کرے گی۔ عوام کی طرف سے حکومت کی مخالفت جو زور پکڑ رہی ہے اُسے ابھی پختہ کرنا ہے اور اُسے متحد جتھہ بندیوں کی مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے، اسے راستے پر لگانا ہے اور اس کی رہنمائی کرنا

ہے۔ یہ سب باتیں ہم پر بھاری ذمہ داری عائد کرتی ہیں۔کوئی اکیلی پارٹی حکومت کو شکست نہیں دے سکتی جو نئے نئے اختیارات سے اپنے آپ کو مسلح کر رہی ہے اور ان اختیارات سے وہ لوگوں کے چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ حکومت کی پالیسیوں کے خلاف اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں اپوزیشن، اسمبلیوں کے باہر لوگوں کا مشترکہ محاذ۔کسانوں، مزدوروں، طالب علموں اور دوسرے طبقوں اور حصوں کا مشترکہ عمل۔ یہی وہ راستہ ہے جو فتح کی طرف لے جا سکتا ہے۔ پچھلے پانچ سالوں کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے۔

سوشلسٹ پارٹی کے لیڈروں کی رجعت پسندانہ پالیسی کے باوجود اگر چناؤ میں لاکھوں لوگوں نے سوشلسٹ پارٹی کو ووٹ دیئے ہیں۔ تو انہوں نے اس لئے نہیں دیئے کہ سوشلسٹ پارٹی نے وعدہ کیا کہ وہ "کمیونزم کو پھیلنے سے روکے گی" بلکہ اس لئے کہ وہ سوشلسٹ پارٹی کے بارے میں سمجھتے تھے کہ یہ پارٹی حکومت کے خلاف لڑے گی۔ اور لوگوں نے یہ ووٹ اس لئے دیئے تھے کہ سوشلسٹ پارٹی کے بعض ورکروں نے دیس کے مختلف حصوں میں بے غرضی اور ایثار کے ساتھ کام کیا تھا۔ ان عوام کی طرف سوشلسٹ پارٹی کے ممبروں اور کارکنوں کی کچھ ذمہ داری اور فرائض ہیں۔ یہ ذمہ داری اور یہ فرائض صرف اسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں کہ وہ پچھلے کئی سالوں کے نظریات اور عمل کے خلاف جنگ کریں۔ اور ایک ایسے وسیع ترین عوامی اتحاد کے لئے اقدامات کریں، جو عوام کے حقوق اور قومی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت کے لئے اور غلام قوموں کی آزادی اور دنیا میں امن کے قیام کے لئے وجود میں آیا ہو ٭

(جولائی ۱۹۵۲ء)

دشت دل میں جاؤ پھر تو پیچھے قدم دیکھو
تیری خاک کے ذروں سے انسان نکلتے ہیں